Scanned by CamScanner

خدیجہ مستور کی ناول نگاری پر ایک نظر

ڈاکٹر اشتیاق عالم اعظمی

رجحان پبلیکیشنز
الہ آباد

Scanned by CamScanner

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

KHADEEJA MASTOOR KI NOVEL NIGARI
PAR EK NAZAR

DR. ISHTEYAQ ALAM AZAMI
D.Litt.
Contact : 09936895252
E-mail : ishteyaqaazami@gmail.com

PRICE : 125.00
ISBN : 978-81-921543-1-2

طباعت : ستمبر ۲۰۱۲ء
تعداد اشاعت : چار سو (۴۰۰)
کمپوزنگ : جاوید نظر، الہ آباد؛ رابطہ:09335489474
سرورق : جاوید نظر
مطبع : بھارگو آفسیٹ، بائی کا باغ، الہ آباد
:

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵
۲۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔۲۰۲۰۰۱
۳۔ رجحان پبلیکیشنز، کریلی کالونی، الہ آباد
۴۔ رائی بک ڈپو، 734 پرانا کٹرا، الہ آباد

ناشر
رجحان پبلیکیشنز
سی ۸۲ کریلی کالونی، الہ آباد
C-82, Kareli Colony, ALLAHABAD-16 (INDIA)
Phone:0532-2655007; Mobile:9335489474;
E-mail : javednazar@rediffmail.com

Scanned by CamScanner

انتساب

ان معتبر رفاقتوں کے نام
جن سے میں نے اکتساب فیض کیا
اور
جو میرے ادبی وتخلیقی سفر میں میرے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئیں۔

rekhta

Scanned by CamScanner

فہرست

Scanned by CamScanner

کچھ بیاں اپنا

"علم وادب بڑے جان لیوا آقا ہیں ان کی سچی خدمت کرنا دل گردے کا کام ہے۔"[1]

سجاد ظہیر کے اس مفروضے کے نکات اس وقت سمجھ میں آئے جب کچھ شعور پیدا ہوا اور میں نے لکھنے پڑھنے کے لئے قلم اٹھایا۔ اور بہت عرصے بعد یہ پہلی کوشش آپ کے سامنے ہے۔

آج سے برسوں قبل جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی نے مجھے اس مقالے پر ایم.فل. (ماسٹر آف فلاسفی) کی ڈگری تفویض کی۔ اس درمیان میں نے اکثر اس کی اشاعت کے لئے سوچا، لیکن ایسے ادبی و تحقیقی کاموں کے سلسلے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا۔

یہ مقالہ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی صاحب کی زیر نگرانی مکمل ہوا۔ موصوف نے جس غیر معمولی توجہ سے اس کام میں مجھے رہنمائی عطا کی اس کے لئے میں ان کا مشکور ہوں۔ اور دراصل یہ مقالہ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ میں نے اپنی اس ناچیز تصنیف کے ذریعہ عام قاری اور بالخصوص طلباء کے علمی و ادبی ذوق و شعور کی آبیاری کرنے کی کوشش کی اور ممکن معلومات بہم پہنچا رہا ہوں۔ میں ادب کی افادیت اور مقصدیت کا ہمیشہ سے قائل رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس مقالے میں اپنی تحریر کو ممکن حد تک مقصدیت اور افادیت سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی ہے۔

یوں تو اردو ادب میں ناول نگاری پر بہت سے تحقیقی کام ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ

---

[1] روشنائی: سجاد ظہیر صفحہ ۳۹

Scanned by CamScanner

جاری ہے۔ زیر نظر مقالہ 'خدیجہ مستور کی ناول نگاری پر ایک نظر' بھی اسی سلسلہ کی ایک ادنیٰ کوشش ہے۔ اگر چہ موصوفہ کے دونوں ناولوں 'آنگن' اور 'زمین' کا الگ الگ تنقیدی جائزہ لیا جاچکا ہے مگر اس میں خدیجہ مستور کے فنِ ناول نگاری کا مجموعی جائزہ نہیں لیا گیا ہے اور اس مقالے میں اسی بات کی کوشش کی گئی ہے۔

پورے مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں خدیجہ مستور سے قبل ناول نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں خدیجہ مستور کے عہد میں ناول نگاری کی صورت حال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیسرے باب میں ان کے مشہور ناول 'آنگن' کا تفصیلی و تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں ان کے مشہور ناول 'آنگن' کے بعد ان کے دوسرے ناول 'زمین' پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ پانچویں باب میں حاصل مطالعہ ہے۔

اس مقالے کی تیاری و اشاعت میں میرے کچھ بزرگ و کرم فرما اصحاب نے مختلف تحقیقی مراحل میں قدم قدم پر میری رہنمائی کی ہے۔ ان میں سب سے پہلا نام میرے نگراں پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کا ہے، جن کی مشفقانہ رہنمائی اور گراں قدر مشوروں کے بغیر اس مقالے کی تکمیل ہی ممکن نہ تھی۔ دوسرا اہم نام ڈاکٹر اسلم پرویز کا ہے، جنھوں نے اس مقالے پر اپنی اصلاحی نظر ڈالی اور اس کی بیشتر خامیوں کو دور کیا۔ میں ان دونوں حضرات کا ممنون کرم ہوں۔ ان کے علاوہ اُن تمام کرفرما اصحاب کا بھی شکرگزار ہوں جنھوں نے مجھے اپنے بیش قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اور آخر میں خاص طور سے جناب ایس. ایم. عباس صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ موصوف کی نوازشوں اور خلوص کی بنا پر یہ کتاب جلد شائع ہو سکی۔

ستمبر ۲۰۱۲ء

اشتیاق عالم اعظمی
پرنسپل رضوی ڈگری کالج،
کراری، ضلع کوشامبی

Scanned by CamScanner

تعارف

آزادی سے قبل ہندوپاک کے لوگوں کی زندگی جن صورت حال سے دو چار تھی اس کو موضوع بنا کر بہت سے ناولوں کی تخلیق عمل میں آئی۔ تقسیم کے بعد ہندوستان کے عصر حاضر کی زندگی اکثر پاکستان کے قلم کاروں کا اہم ترین موضوع رہا۔ ناولوں میں یہ بات زیادہ ابھر کر سامنے آ سکتی تھی۔ نتیجے کے طور پر اس میدان میں طبع آزمائی ہوئی اور زندگی کی سماجی حقیقتوں کی بہترین عکاسی کی گئی۔ ان میں خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' اور ''زمین'' عبداللہ حسین کا ''اداس نسلیں''، شوکت صدیقی کا ناول ''خدا کی بستی'' بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

خدیجہ مستور کی شہرت اور مقبولیت میں ان کے ناول ''آنگن'' کا ایک اہم کردار رہا۔ یہ ان کا ایک ایسا منفرد ناول ہے جس میں تاریخی بصیرت اور گہرا سماجی شعور دکھائی دیتا ہے۔ ناول کے پس منظر کے مطابق ملک میں حصول آزادی کی جو جنگ برطانوی سامراج کے خلاف لڑی جارہی ہے، اس سے ''آنگن'' کا ہر کردار متاثر نظر آتا ہے۔ کیونکہ اس ماحول میں ہر فرد ایک خواب کا خواہشمند تھا۔ وہ تھا ہندوستان کی آزادی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب حصول آزادی کے لئے ملک میں مختلف پارٹیاں وجود میں آ چکی تھیں۔ پوری فضا گاندھی، نہرو، جناح اور آزاد کے نعروں سے گونج رہی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ خدیجہ مستور اس پرآشوب دور کے ان چند مقبول و معروف ناول نگاروں میں سرفہرست ہیں جنھوں نے اپنی تخلیقی ذہانت اور فنکارانہ شعور کے ذریعہ اردو ناول نگاری کے معیار کو فن کی بلندی عطا کی۔ یہی نہیں بلکہ اس کے فنی وقار کا جہاں تک تعلق ہے اس میں بلندی عطا کی۔ خدیجہ مستور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے زندگی کے جو تجربات حاصل کیے یا جوان کے مشاہدات ہیں ان کو انھوں نے اپنی تحریروں میں رسمی

Scanned by CamScanner

طور پر نہیں پیش کیا ہے بلکہ اپنی تخلیقی قوت اور گہری بصیرت کے ذریعہ انھیں ایک غیر معمولی وسعت اور بلندی عطا کی ہے۔ ناول کے موضوع سے متعلق واقعات کے انتخاب، پلاٹ کی تشکیل مرحلوں اور ناول کی مجموعی ہیئت کی تعمیر کے دوران بھی انھوں نے اپنی بلند پایہ فنی شعور، تاریخی سچائی اور بے مثل سلیقہ مندی کا ثبوت فاہم کیا ہے۔

خدیجہ مستور کی تحریروں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے یہاں ایک خاص مقصد اور پیغام پوشیدہ ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک ادب کا سب سے بڑا مقصد سماجی اور معاشرتی اصلاح کے ساتھ عوامی زندگی کے مسائل کا حل تلاش کرنا بھی ہے۔ ان کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے فن کو زندگی کی سچائیوں کے قریب تر رکھا اور یہی وجہ ہے کہ ان کا فن لافانی بن گیا جو آج بھی زندہ اور تابندہ ہے۔

خدیجہ مستور کا ناول ''آنگن'' دنیائے اردو ناول نگاری میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے اس ناول کو ناول نگار کا ایک مکمل اور معیاری نمونہ کہنا غلط نہ ہوگا۔ ناول کی ساری پیچیدگیاں، وابستگیاں حسرتیں، محرومیاں، وفاداریاں اور الجھنیں ہندوستان کی اجتماعی زندگی کے کینوس پر جیتے جاگتے نقش ونگار کی طرح ابھرتی ہیں دراصل یہ ناول۱۹۶۲ء کے اپنے دور کے ناولوں کی طرح تقسیم ہند کے بعد آنے والے المیہ پر لکھا گیا ہے۔ پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عبداللہ حسین کا ناول ''اداس نسلیں'' اور خدیجہ مستور کا ناول ''آنگن'' کا موضوع لگ بھگ ایک جیسا ہے۔ جہاں تک دونوں میں تھوڑے سے فرق کا سوال ہے تو اس سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اول الذکر بڑے کینوس پر ہندوستان کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات کا منظر پیش کرتا ہے اور آخر الذکر گھر کے آنگن کے ذریعہ ہندوستان کے مسائل پر روشنی ڈالتا ہے، جن کا تعلق ماضی سے قریب کا ہے۔

ناول کا فن، انسانی حیات اور حیاتی سرگرمیوں کی تنقید وتعبیر سے زیادہ تخلیق جدید کا فن ہے۔ ناول نگار اپنے عہد کے تمام شخصی اور معاشرتی، انفرادی اور اجتماعی تجربات کا بغور

Scanned by CamScanner

مشاہدہ کرتا ہے، ان کے محرکات اور اسباب کا تجزیہ کرتا ہے اور اپنے نتائج تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو معاشرے کی فلاح و بہبود میں مددگار بن سکیں۔ ناول نگار کی تخلیقی بصیرت، انسانی معاشرے کی تجرباتی سرگرمیوں کی تمام تہوں کی شناوری اور عصری واردات وکوائف کی غواصی کا ایسا جوہر رکھتی ہے جس کی حساسیت اور باریک بینی انسان کی داخلی اور خارجی صورت حال کے تمام رموز اسرار کو نہایت خوش اسلوبی اور فنی سلیقہ مندی کے ساتھ منظر عام پر لاتی ہے۔

یہ خوش اسلوبی اور فنی سلیقہ مندی دراصل ناول کے اسلوب وتکنیک سے منسلک ہے۔ ناول کے واقعات زندگی سے ماخوذ ہوتے ہیں لیکن ناول میں ان کی پیش کش ایک ایسے منظم انداز سے ہوتی ہے کہ حیات انسانی یہاں تک فطری ارتقائی تسلسل کے ساتھ رواں ملتی ہے۔ یہ ضبط ونظم ناول کے پلاٹ کی تشکیل سے متعلق ہوتی ہے اور پلاٹ کی تعمیر میں ناول نگار کی فنی ہنرمندی کو پیش کرتی ہے۔ چونکہ دنیا کے تمام واقعات افراد واقعات سے چمٹے ہوتے ہیں اور کوئی بھی واقعہ فرد اور فرد واقعہ بغیر رونما نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ناول نگار اپنے ناول کے واقعات کی مناسبت سے ایسے کردار کا انتخاب اور ان کی تخلیق وتشکیل کرتا ہے جن کے ذریعہ واقعات کی صحیح پیش کش اور ادائیگی ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کردار اپنے خصائل وعادات، طور طریق، رہن سہن اور چال چلن کے اعتبار سے عام انسانوں سے پوری طرح ملتے جلتے ہیں۔ ان کرداروں کی عملی، فکری اور جذباتی سرگرمیاں ہی ناول کے واقعات کو منظر عام پر لاتی ہیں اور ناول کے وقعاتی ماحول کو نمایاں کرتی ہیں۔ بالعموم ناول میں کرداروں کی وہ جہتیں ہوتی ہیں یا یہ کہ دو طرح کے کردار ہوتے ہیں، چند کرادر مرکزی نوعیت کے حامل ہوتے ہیں جو ناول کے آغاز سے اختتام تک سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ انہیں کا انجام ناول کا انجام ہوتا ہے۔ دوسرے متعدد کردار جو واقعاتی نشیب وفراز کی لہروں پر وقتاً فوقتاً ابھرتے ڈوبتے نظر آتے ہیں وہ ذیلی یا ضمنی کردار ہوتے ہیں اور دراصل مرکزی

کرداروں کی تکمیل وتقویت ہی کے لئے لائے جاتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر جلال اصغر فریدی:

> ''ناول نگار اپنے کرداروں کی پیکر تراشی اور سیرت نگاری اس انداز میں کرتا ہے کہ ان کی داخلی کیفیتوں سے ہم آہنگ ہو کر خارجی سرگرمیاں رونما ہوتی چلی جاتی ہیں اور اس طرح ناول کا پلاٹ ایک عہد کی جیتی جاگتی مصوری اور ترجمانی کے مقصد کو پورا کر لیتا ہے۔''[1]

خدیجہ مستور کے اندر یہ صلاحیت تھی کہ وہ اپنے مقدر ساز ماحول کو بدلنے کا حوصلہ رکھتی تھیں۔ یہ ان کے فن کی وجہ سے ممکن ہو سکا تھا۔ وہ اسی کے سہارے اس منزل تک آہستہ آہستہ پہنچی تھیں۔ وہ اپنے افسانہ نگاری کے ابتدائی دور میں بھی مردوں کے خلاف بیان کرتی ہوئی نظر آتی ہیں کیونکہ انھوں نے مردوں کی بے وفائی اور ان کے ظلم کا مشاہدہ بہت قریب سے کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ اس طرح کا بیان کرتی ہیں تو ان کے بیان میں جا بجا تلخیاں بھی محسوس ہوتی ہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ خدیجہ مستور نے کہیں بھی انسانیت کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اس کی کچھ جھلکیاں ''آنگن'' میں بھی ملتی ہیں۔ کیونکہ یہ ان کا شاہکار ناول ہے جو ان کی کامیابی کی ضمانت بھی بنا۔

خدیجہ مستور کا سیاسی شعور بھی نکھرا ہوا ہے۔ انھوں نے کہیں بھی سیاست کو مسئلہ نہیں بنایا اور یہ ایک ناول نگار کا کام بھی نہیں ہے۔ اس کا کام تو صرف جھلکیاں پیش کرنا ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ جھلکیاں حقیقی ہوں، تصویر کا صرف ایک ہی پہلو نہ پیش کرتی ہوں۔ جہاں تک خدیجہ مستور کے فن کا سوال ہے تو انھوں نے جو بھی تصویر پیش کی ہے اس میں سچائی اور دلچسپی دونوں عناصر بخوبی موجود ہیں۔

□□□

---

[1] ڈاکٹر جلال اصغر فریدی: مضمون ''لہو کے پھول۔ ایک جائزہ'' رسالہ روح ادب، شمارہ ۴۸ جلد ۱۴؛ اکتوبر ۱۹۹۷ تا مارچ ۱۹۹۸، مغربی بنگال اردو اکادمی، کولکاتا صفحہ ۸۰۔۸۱

Scanned by CamScanner

اردو ناول نگاری کا مختصر تنقیدی جائزہ

ناول نگاری پر بحث کرنے سے قبل ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم یہ معلوم کہ آخر ناول کیا ہے؟ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ناول ایک نثری قصہ ہے جس میں ہماری زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہماری امنگیں اور تمنائیں جھلکتی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس میں اس کی بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ ہمارے سامنے کیا مشکلیں آتی ہیں اور ہم ان پر کیسے فتح حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ گویا ناول زندگی کی تصویر کشی کا فن ہے۔

دراصل لفظ ناول اطالوی زبان کے لفظ 'ناویلا' سے نکلا ہے۔ جس کے معنی 'نیا' ہے۔ یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ ناول ایک نئی چیز تھی اور یہ اردو میں انگریزی ادب کے راستے سے داخل ہوئی۔

اس کے بعد میں ناول کے اجزائے ترکیبی پر بھی روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جن سے ناول کی تکمیل ہوتی ہے فنی اعتبار سے ان کا ہونا لازمی ہے، یہی ناول کے اجزائے ترکیبی بھی کہلاتے ہیں۔ مثلاً

ا۔ قصہ:

دراصل قصہ ہی ناول کی بنیاد ہوتا ہے اس کے بغیر ناول کا وجود ممکن نہیں، کیونکہ ہر ناول میں کوئی نہ کوئی قصہ یا واقعہ ضرور ہوتا ہے۔ جبکہ دور جدید میں قصہ سے بغاوت کی گئی اور کہا گیا کہ ناول کے لئے قصہ کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ جبکہ میرے نزدیک یہ خیال درست نہیں ہے۔ ناول کے لئے قصہ ہی نہیں بلکہ قصہ پن بھی لازمی جزو ہے کیونکہ اسی سے

Scanned by CamScanner

قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ ناول کے قاری کی توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ کیا ہوا اور ابھی آگے کیا ہونے والا ہے اور کیا ہوسکتا ہے۔

۲۔ پلاٹ:

ناول میں ایک کے بعد ایک پلاٹ پیش آتے رہتے ہیں جنھیں ناول نگار ترتیب سے ایک لڑی میں پروتا ہے۔ واقعات کی اسی لڑی کا نام پلاٹ ہے۔ واقعات کی ترتیب بہت ہی بے عیب ہونی چاہئے۔ یعنی ایک کے بعد جب دوسرا واقعہ پیش آئے تو عقل تسلیم کرے کہ بیشک ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اسی کا نام منطقی ترتیب ہے۔ اور ایسے ہی پلاٹ کو مربوط پلاٹ کہتے ہیں۔ اس کی مثال 'امراؤ جان ادا' جیسا ناول ہے۔ پلاٹ تو سادہ ہوتا ہے یعنی اس میں ایک قصہ ہوتا ہے یا مرکب ہوتا ہے اس میں دو یا دو سے زیادہ قصے ایک ساتھ تو چلتے ہیں۔ جیسے ایک امیرن کا دوسرا رام دئی کا ہے۔

۳۔ کردار نگاری:

ناول میں مسلسل عمل ہوتا ہے یعنی واقعات پیش آتے ہیں۔ یہ واقعات افراد کے ذریعہ ہی پیش آتے ہیں انھیں افراد قصہ کو کردار کہتے ہیں۔ کرادروں کی پیشکش کردار نگاری کہلاتی ہے۔ یہ ناول کا تیسرا اہم جزو ہے۔ کردار دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک پیچیدہ دوسرا سپاٹ۔ جو کردار جیتے جاگتے ہوتے ہیں اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں وہ پیچیدہ کہلاتے ہیں۔ جو کردار زندگی کا صرف ایک رخ پیش کرتے ہیں، مثلاً اچھے ہیں تو اچھے، برے ہیں تو برے، وہ سپاٹ کردار کہلاتے ہیں۔ کیونکہ اصل زندگی میں انسان حالات کے مطابق تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ مولوی نذیر احمد کے کردار مبتلا اور کلیم، مرزا ہادی رسوا کے کردار امراؤ جان اور گوہر مرزا، پریم چند کے امر کانت اور ہوری جیتے جاگتے کردار ہیں۔

Scanned by CamScanner

۴۔ مکالمہ نگاری:

کرداروں کو جاننے اور پہچاننے کا سب سے بہتر ذریعہ ان کی گفتگو ہے جو مکالمہ کہلاتی ہے اور یہ ناول کا چوتھا اہم جزو ہے۔ جس کردار کو جس موقع پر جو بات کہنی چاہئے فنکار کے لئے ضروری ہے کہ اس کے منہ سے وہی بات ادا کرائے۔ یہ مکالمے فطری، مناسب، موزوں، واضح اور مختصر ہونے چاہئے۔ ناول کے مکالمے ہی تو ہیں جو کرداروں کے ذہن سے پردہ ہٹاتے ہیں۔ اور اگر یہ مصنوعی اور غیر دلچسپ ہوں تو ناول کے حسن کو برباد کر دیتے ہیں۔ نذیر احمد، سرشار، رسوا اور پریم چند مکالمہ نگاری میں مہارت رکھتے ہیں اور ان کے ناول معیاری ہوتے ہیں۔

۵۔ منظر کشی:

ناول کو پرکشش اور پرتاثیر بنانے میں منظر کشی اہم رول ادا کرتی ہے۔ ہر ناول نگار اپنے ناول کو کامیاب بنانے کے لئے اس کا استعمال کرتا ہے۔ منظر کشی سے مراد یہ ہے کہ جس مقام اور واقعہ کا ذکر کیا جا رہا ہے، فنکار کو چاہئے کہ اس کی تصویر کھینچ دے اور قاری کو محسوس ہو کہ وہ خود جائے واردات پر موجود ہے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ گویا منظر نگاری پس منظر کا ہی ایک حصہ ہے۔ منظر کشی کے نقطۂ نظر سے "امراجان ادا" ایک کامیاب ناول ہے۔

۶۔ نقطۂ نظر:

ہر فنکار کا اپنا ایک نقطۂ نظر ہوتا ہے جو اس کی ہر تخلیق میں پوری طرح کارفرما رہتا ہے۔ لیکن ایک بات قابل غور ہے کہ اگر ناول میں نقطۂ نظر بہت واضح اور نمایاں ہو جائے تو ناول کے حسن میں کمی آجاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کسی موج تہ نشیں کی طرح نقطۂ نظر کو

Scanned by CamScanner

ناول میں جاری تو ہونا چاہئے مگر ایسا بھی نہ ہونا چاہئے کہ یہ فن پر حاوی ہو جائے اور ناول کے حسن کو مجروح کردے۔

اردو میں ناول نگاری

ہندوستانی تاریخ میں ۱۸۵۷ء کا غدر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔اس نے نہ صرف سیاسی انقلاب ہی نہیں پیدا کیا بلکہ اس نے سماجی اور اخلاقی قدروں کے معیار میں بھی زلزلہ پیدا کیا جس کا اثر ادب پر بھی ظاہر ہوا۔ادب کی بنیادیں ہمارے طریق معاشرت یعنی تہذیب ہی میں استوار ہوتی ہیں۔۱۸۵۷ء کے غدر سے قبل ہمارے اردو ادب میں قصے، کہانیاں، حکایتیں، تمثیلیں اور داستانیں عام تھیں۔فورٹ ولیم کالج کے قصے اور حکایتیں خصوصاً حیدر بخش حیدری کی ''طوطا کہانی'' اور ''آرائش محفل'' اور میر امن کا قصہ ''چہار درویش'' تقریباً سبھی نے پڑھا ہوگا۔ان سے پہلے نثر میں محمد تحسین عطا خاں کی ''نوطرز مرصع'' بہت اچھی داستان سمجھی جاتی تھی۔ ان سب سے پہلے دکن میں ملا وجہی کی ''سب رس''، تمثیل نگاری کا اعلیٰ نمونہ مانی جاتی تھی۔فورٹ ولیم کالج کے بعد انشاء کی ''رانی کیتکی کی کہانی'' سرور کی ''فسانہ عجائب'' اور پھر ''فسانہ عجائب'' کے جواب میں نہ معلوم کتنے فسانے پھر فقیر محمد خاں گویا کی ''بستان حکمت'' اور منشی عبدالکریم کی ''الف لیلہ'' یا طویل افسانوں میں ''طلسم ہوشربا'' یا ''داستان امیر حمزہ'' وغیرہ سب جامعہ کلچر کے زمانے کی بہت مشہور خیال آرائیاں ہیں جو نثر میں کی گئی ہیں جن کا مقصد محض تفریح یا اخلاقیات کا درس تھا۔

۱۸۵۷ء کے غدر نے ہر صاحب شعور پر یہ واضح کردیا کہ ہماری سب سے بڑی کمزوری ہماری زندگی سے دوری ہے۔انگریزوں کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ وہ تصوراتی دنیا میں نہیں رہتے۔یہی دنیا ان کے لئے عقبیٰ بھی ہے۔اس واقفیت کا شدید احساس ہوتے ہی زندگی کے ہر شعبے میں مصلحوں نے اپنا اپنا کام شروع کردیا۔اسلامی سماج

Scanned by CamScanner

میں اردو ادبیات کی اصلاح کا کام سر سید احمد خان اور ان کے رفقا نے اپنے ذمے لے لیا۔ چنانچہ اٹھارہویں صدی کے انگریز ادیبوں نے اپنے سماج کے اصلاح کے لئے جو مضامین لکھے تھے ان ادیبوں کے لئے وہی نمونہ کے طور پر استعمال کیا۔ اس سلسلے میں سر سید احمد خاں کا رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' اسٹیل، اڈیسن اور جانسن وغیرہ کے چربوں سے پر آنے گا۔ سر سید احمد خاں کے رفقاء میں مولوی نذیر احمد ایک بزرگ تھے اور انہوں نے انگریزی پڑھی تھی انہوں نے ایک اصلاحی ناول ''مراۃ العروس'' لکھا۔ اس کے بعد ''بنات النعش'' ''توبۃ النصوح'' اور ''ابن الوقت'' جیسے ناول سیاسی ذوق وشوق کا نتیجہ کہے جاسکتے ہیں۔

مولوی نذیر احمد کے ان تمام ناولوں میں ان کی مقصدیت اس قدر نمایاں ہے کہ بعض اوقات تو انہیں ناول کہنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ جگہ جگہ پند ونصائح کی بھرمار ہے۔ موقع بہ موقع مذہب واخلاقیات کے لکچر ان کے ناول سے دلچسپی کے عنصر کا تو خاتمہ ہی کر دیتے ہیں۔ اسلوب کا جہاں تک سوال ہے تو یہ قابل تحسین ہے کہ لوگ صبر سے پڑھ لیتے ہیں۔ ان کے ناول کے پلاٹ سیدھے اور سپاٹ ہیں۔ نہ کوئی گنجلگ ہے کم از کم دلچسپی کو ابھارنے کا ہی باعث ہو سکے۔ نہ حسن کی دل فریبیاں ہیں نہ عشق کی گرمی ہی محسوس ہوتی ہے۔

ان تمام خشکی اور ناصحانہ پن کے باوجود ہم مولوی نذیر احمد کی کتابوں کو ناول اس وجہ سے کہنے پر مجبورر ہیں کہ مولوی نذیر احمد پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہمارے زمانے کی اس معاشرت کی اچھی تصویر کشی کی ہیں۔ ان کے ہاں وہ مافوق الفطری عناصر نہیں جو داستانوں کے خاص اجزائے ترکیبی ہوا کرتے تھے۔ ان کا ماحول ان کے کردار اسی دنیا کے جیتے جاگتے کردار ہیں، خواب وخیال کی دنیا کے نہیں۔ اصغری، اکبری، نصوح اور ابن الوقت معلوم ہوتا ہے کہ دل نہیں رکھتے صرف دماغ رکھتے ہیں۔

''مراۃ العروس'' ''توبۃ النصوح'' ''ابن الوقت'' ''حجۃ الاسلام'' کی اس سخت کٹر اخلاقی دنیا سے ہم جب سرشار کے زعفران زار میں آتے ہیں تو ان کے بالکل متضاد

Scanned by CamScanner

آب و ہوا ملتی ہے۔ ہر جگہ آزادی کے قہقہے ہیں، دلچسپی اور رنگینیاں ہیں۔ مولوی نذیر احمد جس قدر زاہد خشک ہیں اسی قدر سرشار مست اور آزاد ہیں۔ یہ صحافت کے راستے ناول نگاری کے میدان میں آئے اور رجب علی بیگ سرور کے طرز میں پہلے لکھنؤ کی زندگی کا نقشہ اتارتے رہے۔ سرشار نے دنیا کو کثرت کے روپ میں دیکھا ہے۔ یعنی انکی نظر سے شاید ہی زندگی کا کوئی پہلو بچا ہو۔ بیگمات کی زندگی، نواب کی صحبتیں، بازار کی رونقیں، تہواروں کا جشن، عیش و تفریح کے مختلف سامان غرض یہ کہ ان کے ناول کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔

''فسانہ آزاد'' کا سب سے بڑا کمال خوجی کی تخلیق میں ہے۔ اردو میں اس سے بہتر کردار بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ بہر حال اگر ''فسانہ آزاد'' کو با قاعدہ ناول کہا جا سکتا ہے تو ''سیر کہسار'' اور ''کامنی'' ضرور ناول کہلانے کے مستحق ہیں۔

اگر محض سلیقہ کا ہی خیال کیا جائے تو شرر کے ناول اتنے ہی اعلیٰ پایہ کے ہیں جیسے کہ سرشار کے ناقص ہیں۔ ان میں ایک ڈھنگ ہے جو سرشار کے یہاں نہیں ملتا۔ قصہ گوئی کی قابلیت موجود ہے مگر یہ سب ضمنی چیزیں ہیں۔ حقیقت نگاری یا واقعات نگاری کے باب میں شرر اس قدر ناکام ہیں کہ ان کو ناول نگار کہنا درست نہیں۔ جب شرر نے ناول لکھنا شروع کیا تو سرسید احمد خاں کے اثر سے مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو چکی تھی۔ اور اردو ادب تکنیک کے لحاظ سے یورپ کی تقلید اور مواد کے لحاظ سے مسلمانوں کی پرانی عظمت کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ شرر نے مسلمانوں کی پرانی تاریخ کو پھر سے زندہ کرنے اور اسلام کو عیسائیت سے بہتر ثابت کرنے کا ذریعہ اسکاٹ کے ناول سے پایا۔

شرر کے بعد ہماری نظر مرزا ہادی رسوا پر پڑتی ہے۔ رسوا کی طبیعت سائنس کے قاعدوں کی طرف زیادہ رجوع تھی۔ یوں تو خانگی اور دینوی معاملات میں وہ نہایت لا پرواہ واقع ہوئے تھے۔ مگر قواعد کی پابندی کی طرف انکا رجحان بہت تھا۔ یہاں تک کہ ان کے ناول ریاضی کے فارمولے کی طرح ہو کر رہ گئے ہیں۔ کم از کم ''شریف زادہ'' تو بالکل

Scanned by CamScanner

فارمولا ہے۔ان کے ناول کے کردارایک مشینی دنیا کے رہنے والے ہیں ۔ جومرزا صاحب کے ذہن میں آئیڈیل دنیا ہے ۔مرزا ہادی رسوا کے رجحان طبع کا اثر ان کے شاہکار ناول ''امراؤ جان ادا'' پر بھی پڑا ہے۔یہ ناول ہمارے ادب کا نادر شاہکار ہے۔ پلاٹ کی ترتیب کی اس سے بہتر مثال کسی دوسری جگہ مشکل ہی سے ملے گی۔مگر اس میں زندگی کے تمام نقوش بخوبی نظر آتے ہیں۔یہ ناول سراسر فنکاری کا بہترین نمونہ ہے۔''امراؤ جان ادا'' کا کردار فنکاروں کے لئے مثال ہوسکتا ہے۔اس عورت کی تمام خصوصیات بہت نمایاں اور بلند پایہ کی ہیں۔

بیسویں صدی کے شروع کے ناول نگاروں میں راشد الخیری، پریم چند، نیاز فتح پوری وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۔مولانا راشد الخیری مسلمان لڑکیوں کے سرسید تھے۔عورتوں کی بھلائی اور بہتری کے لئے انہوں نے بہت سے ناول لکھے جیسے ''سیدہ کا لال''، ''جوہر قدامت''، ''صبح زندگی''، ''شام زندگی''، اسلوب بیان میں رقت اور درد انگیز ہونے کے باعث مصور غم کا خطاب پایا۔ان کے پلاٹ مکالمے اور کردار سبھی اسی اصلاحی مقصد کے زیر اثر تعمیر و ترتیب پائے ہیں۔

پریم چند نے اپنی ادبی زندگی افسانہ نویسی سے شروع کی۔رفتہ رفتہ ناول کے میدان میں قدم رکھا۔''بیوہ''، ''بازار حسن''، ''نرملا''، ''گوشۂ عافیت''، ''چوگان ہستی''، ''میدان عمل'' اور ''گئودان'' ان کے مشہور ناول ہیں۔ان میں سب سے زیادہ مقبولیت ''گئودان'' کو حاصل ہوئی اردو ناول میں پریم چند ایک روشن ستارے کے مانند ہیں۔ پریم چند کے پلاٹ اور کردار کی دنیا میں ہندوستانی وسعت نظر آتی ہے۔اور پورا ملک ایک خاص روپ میں نظر آتا ہے۔دیہاتوں، گاؤں کی وسیع لیکن اجاڑ اور مجبور دنیا جہاں دھرتی اپنے لازوال خزانے اگلتی ہے لیکن اس سے کوئی واقف ہوتا محسوس نہیں کرتا۔''گئودان'' کا ہیرو ہوری ایک قسمت پرست، تقدیر پر شاکی رہنے والا، پرانی روایات کے قائل ایک بوڑھا

Scanned by CamScanner

کسان ہے اور اس کی عورت دھنیا اپنے شوہر کی پجاری اور اپنے لڑکے گوبر کی عاشق، ایک وفا، ایثار اور خدمت کی اعلیٰ مجسمہ ہے۔

پریم چند کی سب سے اہم خصوصیت ان کی واقعیت نگاری ہے۔ وہ تمام کردار روزمرہ کی زندگی سے لیتے ہیں۔ ان کا ماحول خالص ہندوستانی اور حقیقی ہوتا ہے، خیالی نہیں اور ایسے ماحول کو قائم رکھنے میں ان کو سب سے زیادہ اپنے اسلوب بیان سے ملتی ہے جو ہر جگہ صاف ستھرا اور رواں دواں ہے۔ پریم چند میں اگر کوئی نقص ہے تو یہ ان کے ناولوں میں روحانیت غالب نظر آتی ہے۔ حالانکہ روحانیت ہندوستانی زندگی کا ایک جزو خاص ہے۔

پریم چند کے برعکس نیاز فتحپوری نے ایک رومانی اسکول قائم کیا۔ شاعرانہ اور جذباتی قسم کی طرز نگارش کو انھوں نے اپنے لئے منتخب کیا۔ شباب اور فلسفہ جہاں متحد ہو جاتے ہیں وہاں ادیب ہمیشہ حقیقت سے بہت اونچا رہتا ہے۔ نیاز فتحپوری کے ناول ''شباب کی سرگزشت'' اور ''شاعر کا انجام'' ان کے طرز بیان کے لئے ضرور مشہور ہیں لیکن بطور ناول نہیں۔

ترقی پسندی کے دور میں فرائڈ کی جنسیت اور مارکس کی استعمالیت نے لوگوں کے ذہن اور قلوب پر اثر کر رکھا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ اور اس کے ہر عمل کو بھوک اور جنسیت کی عینکوں سے دیکھا جانے لگا۔ موجودہ دور کے اچھے ناول نگاروں میں احمد علی، کرشن چندر، اپندر ناتھ اشک، عصمت چغتائی اور عزیز احمد وغیرہ ہیں۔ یہ سب ڈی. ایچ. لارنس سے متاثر ہیں اور کہیں مارکس کی اشتعمالیت سے عورت، مزدور اور کسان ان کے ناووں کے تانے بانے ہیں۔ کرشن چندر کی ''شکست'' ہو یا عصمت کی ''ٹیڑھی لکیر'' یا عزیز احمد کا ''گریز'' سبھی جنسی لذت سے پُر ہیں۔ ان سب پر مغرب کا اثر ہے۔

برصغیر کی تقسیم اتنا بڑا حادثہ تھا کہ اس نے ہمارا سب کچھ تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ دوستی، بلند اخلاقی قدریں، سبھی ختم ہونے لگیں اور کوئی دل ایسا نہ تھا جو زخم خوردہ نہ تھا۔ پورے مسلم معاشرے پر بڑے زوال کا وقت آن پڑا تھا۔ کرشن چندر نے ان حالات میں

Scanned by CamScanner

بھی اپنی تحریروں کو جاری رکھا۔ تقسیم ہند کے بعد انہوں نے ایک درجن سے بھی زیادہ ناول لکھے ہیں جن میں ''سڑک واپس جاتی ہے''، ''چاندنی کا گاؤں''، ''درد مہر''، ''گدھے کی واپسی''، ''ایک عورت ہزار دیوانے'' اور ''جب کھیت جاگے'' وغیرہ اہم ہیں۔

عزیز احمد نے ''گرہن'' کے ذریعہ اردو میں نیچرل ازم کا کامیاب تجربہ پیش کیا ہے۔ بعض لوگ اسے بہترین ناول سمجھتے ہیں لیکن انکا بہترین ناول دراصل ''ایسی بلندی ایسی پستی'' ہے۔

قرۃ العین حیدر کے ناول تقسیم ہند کے بعد شائع ہوئے۔ ان کے اولین ناول ''میرے بھی صنم خانے'' کو لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔ اس میں لکھنؤ کے ایک محدود طبقے کی زندگی پیش کی گئی ہے۔ یہ زندگی قرۃ العین حیدر کے رگ وریشہ میں سمائی ہوئی ہے۔ قرۃ العین حیدر کے تمام کردار تعلقہ دار طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے کردار انتہائی تعلیم یافتہ، ذہین اور مہذب ہوتے ہیں۔ وہ سب ایک ہی تہذیب کے پروردہ ہیں اور انکا ذہن مغربی ہے مگر دل مشرقی ہے۔ عیش وعشرت میں پرورش پانے کے باوجود قومی خدمت کے جذبے سے معمور ہیں۔ انکا دوسرا ناول ''سفینۂ غمِ دل'' میں خود سوانح عنصریت زیادہ ہے یہ انکا اور ان کے والد کی سوانح عمری بن کر رہ گئی ہے۔ اس میں صرف فسادات کا تذکرہ اہم ہے۔ قرۃ العین حیدر کو سب سے زیادہ شہرت ان کے ناول ''آگ کا دریا'' سے حاصل ہوئی۔ یہ ناول خاصا ہنگامہ خیز ثابت ہوا۔ انعام یافتہ بھی۔

قرۃ العین حیدر نے ''آگ کا دریا'' میں قدیم دور سے لے کر موجودہ دور تک کی ہندوستانی تہذیب کی عکاسی کی ہے۔ انہوں نے چند کردار کے ذریعہ ان کے عہد کی روح ہمارے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابتدا بودھ مذہب کے عروج کے زمانے سے ہوتی ہے۔ بدھ مذہب کی غرض وغایت لمحوں سے نجات حاصل کرنا ہے اور زندگی دکھ درد کا نام ہے۔ بودھ عہد میں ہر جگہ یہی آواز سنائی دیتی ہے۔ اس ناول کے کردار عام ناولوں کے کرداروں کی

Scanned by CamScanner

طرح محض افراد قصہ نہیں بلکہ وہ اپنے اپنے فلفسہ زندگی کے نمائندے ہیں۔قدیم ہندوستان کا دور قرۃ العین حیدر نے بڑی محنت اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔اس عہد کو اس قدر فنکاری کے ساتھ پیش کیا ہے کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے جیتا جاگتا آموجود ہوتا ہے۔

فضل احمد کریم فضلی کا ''خون جگر ہونے تک'' بھی اس عہد کا ایک کامیاب ناول ہے۔فضلی کا منشا بنگال کے دیہات کی خصوصاً مسلمانوں کی زندگی پیش کرنا تھا۔اس کے لئے وہ متوسط طبقے کے ایک شخص جمعدار جلیل کو منتخب کرتے ہیں اور اس ناول میں بنگال کے دیہات کی پوری زندگی سمٹ کر آ گئی ہے وہاں کی معاشی حالت ،متوسط درجے کے مسلمان کی تعلیمی اور دینی کیفیت، اس کی سیاسی جدو جہد، ہندوؤں سے انکا تصادم ، انکا اثر اور افسران کا عوام کے ساتھ رویہ کا ذکر ہے۔بنگال کی نمائندگی جمیل کرتا ہے۔یہاں کی غذائی حالت قحط کی ہولنا کی ،اسلام کی افادیت،اس کے مقابلے میں اشتراکیت کی مذمت یہ تمام باتیں اس مختصر سے ناول میں بڑی خوشی اسلوبی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں ساتھ ہی بنگال کی تصویر کشی بھی قابل ذکر ہے۔

شوکت صدیقی کا ناول ''خدا کی بستی'' جو بہت طویل ہے۔بعض نقادوں نے اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے صرف اس زندگی کو پیش کیا ہے جہاں جرائم پرورش پاتے ہیں جہاں تاریکی ہی تاریکی ہے۔مجموعی طور پر یہ اوسط درجے کا ناول ہے۔''خدا کی بستی'' کے بعد جمیلہ ہاشمی کا ناول ''تلاش بہاراں'' قابل ذکر ہے جس کو انعام بھی مل چکا ہے۔یہ ناول اس دور کے اکثر ناولوں کی طرح راوی کے حافظے سے اور واحد متکلم میں شروع ہوتا ہے۔ اس ناول کا موضوع تقسیم ہند سے کچھ قبل کی زندگی ہے۔

جمیلہ ہاشمی کا دوسرا ناول ''آتش رفتہ'' اس دور کے چند اچھے ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔مصنفہ کو سکھوں کی زندگی ،ان کے رسم رواج اور ان کی روایت جو عمیق تجربہ ہے اسے انہوں نے بڑی فنکاری کے ساتھ برتا ہے۔ممتاز مفتی کا ''علی پور کا ایلی'' اس دور کے اہم

Scanned by CamScanner

ناولوں میں سے ہے۔ یہ ''فسانہ آزاد'' کے بعد اردو کا طویل ترین ناول ہے۔ خدیجہ مستور کا پہلا ناول ''آنگن'' شائع ہوا تھا اس ناول کی بہترین نقادوں نے دل کھول کر تعریف کی۔ ڈاکٹر احسن فاروقی کے نزدیک اس ناول کا مقام ''امراؤ جان ادا'' سے بھی بلند ہے۔ ڈاکٹر فاروقی نے ۱۹۴۱ء میں ''شام اودھ'' لکھا۔ انکا دوسرا اہم ناول ''سنگم'' شائع ہوا۔ یہ علامتی ناول ہے۔

عبداللہ حسین کا مشہور ناول ''اداس نسلیں'' ہے یہ بھی انعام یافتہ ناول ہے۔ اس ناول میں گاؤں کی زندگی گاؤں والوں کے ایک دوسرے کے تعلقات، انکی گفتگو کا اندازہ کاشتکار کے مختلف مشاغل ہل چلانے سے لے کر کٹائی تک کے مناظر عبداللہ حسین نے انتہائی کامیابی سے ساتھ پیش کیا ہے۔ خدیجہ مستور کا دوسرا ناول ''زمین'' ''آنگن'' کے بہت دنوں کے بعد شائع ہوا۔ اس میں تقسیم ہند کے بعد کے حالات کو موضوع بنایا گیا ہے۔

❑❑❑

Scanned by CamScanner

خدیجہ مستور سے قبل اردو ناول نگاری

تاریخی اعتبار سے جہاں تک اردو ناول نگاری کی ابتدا کا تعلق ہے یہ انیسویں صدی کا دور بتایا جاتا ہے۔ اردو کے پہلے ناول نگار نذیر احمد ہیں جنہوں نے ۱۸۶۹ء میں ''مرآۃ العروس'' لکھی جس کو اردو کا پہلا ناول کہلانے کا شرف حاصل ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کی سچی تصویر پیش کرتا ہے۔ کرداروں کا تعلق بھی اسی زمین سے ہے جو جیتے جاگتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اصلاحی اور بامقصد ناولوں کو لکھ کر ناول نگاری کی دنیا کو فروغ بخشا۔ جہاں تک تاریخی ناولوں کا سوال ہے اس کے موجد عبدالحلیم شرر ہیں۔ مرزا ہادی رسوا کے ناول ان دونوں کے ناولوں سے بالکل الگ انداز کے ہیں۔ رسوا نے طوائف اور اس کی زندگی کو مرکز میں رکھ کر اس نقطۂ نظر سے سماج کی جیتی جاگتی تصویر پیش کی ہے۔ یہ ناول کا پہلا دور تھا۔

اردو میں ناول نگاری کا دوسرا دور پریم چند سے شروع ہوتا ہے۔ ان کی خوبی اور انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے ملک کے پسماندہ طبقے کو ناول کا موضوع بنایا۔ زبان اور تکنیک کے اعتبار سے ادب میں ایک زبردست انقلاب برپا کر دیا۔ پریم چند اردو اور ہندی کے ملے جلے ادیب ہیں لیکن انھوں نے اردو ادب کو چند بہت اچھے ناول دیئے ہیں۔ اسی دوران رویندر ناتھ ٹیگور سے متاثر ہو کر اردو میں رومانی ناولیں لکھی گئیں، جن میں سجاد ظہیر، یلدرم اور نیاز فتح پوری قابل ذکر ہیں۔

پریم چند کے دور کے بعد ہندوستان اپنی غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوا۔ یہیں سے اردو ناول نگاری کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں صنعتی ترقیاں شروع ہوئیں۔ سیاسی اور سماجی حالات میں زبردست تبدیلیاں ہونے لگیں۔ جدید تہذیبی اور اقتصادی

Scanned by CamScanner

حقیقتوں کو ناول کے ذریعے پیش کیا جانے لگا۔اردو ترقی پسند تحریک نے حقیقت نگاری کا رنگ اور گہرا کر دیا تھا۔اس دور میں قابل ذکر اور اہم تجربے ہوئے جس کی روشنی میں اچھے ناول لکھے گئے۔ یہ خدیجہ مستور کی ناول نگاری سے ذرا پہلے کا دور ہے۔

پریم چند کے ساتھ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر سجاد ظہیر کا ''لندن کی ایک رات'' عصمت چغتائی کا ''ٹیڑھی لکیر'' شوکت صدیقی کا ''خدا کی بستی'' قرۃ العین حیدر کا ''آگ کا دریا'' عبداللہ حسین کا ''اداس نسلیں'' مشہور ناول وجود میں آئے۔خدیجہ مستور نے اپنا مشہور ناول ''آنگن'' ۱۹۶۲ء میں لکھا اور اس دور میں ''آنگن'' سے قبل مندرجہ ذیل ناول تخلیق ہوئے۔

(۱)	اور انسان مر گیا	۱۹۴۷ء	رامانند ساگر
(۲)	میرے بھی صنم خانے	۱۹۴۹ء	قرۃ العین حیدر
(۳)	آگ کا دریا	۱۹۵۹ء	قرۃ العین حیدر
(۴)	خدا کی بستی	۱۹۶۰ء	شوکت صدیقی
(۵)	تلاش بہاراں	۱۹۶۱ء	جمیلہ ہاشمی
(۶)	علی پور کا ایلی	۱۹۶۱ء	ممتاز مفتی

مذکورہ بالا ناولوں کی روشنی میں ناول نگاری کے خدوخال کا جائزہ لینے سے قبل ان کے پس منظر پر غور کرنا لازمی ہے۔تحریک آزادی کی صدہا سال مسلسل جدوجہد کے بعد غلام ہندوستان آزاد تو ہو گیا لیکن ساتھ ہی ساتھ تاریخ کے ایسے زخم بھی ملے جو بعد میں ناسور سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے۔ملک کو کئی اہم اور پیچیدہ مسائل سے دوچار ہونا پڑا جس میں خاص طور سے فرقہ وارانہ فسادات سے پیدا شدہ اثرات کو ختم کرنا،امن وامان قائم کرنا اور قومی اتحاد و سالمیت کی فضا کو ہموار کرنا سب سے اہم مسئلہ تھا۔ان مسائل کو ادیبوں نے بڑی عمیق نگاہوں سے دیکھا۔

Scanned by CamScanner

بقول سید احتشام حسین:

''ہر عہد اپنے مسائل رکھتا ہے، ہر عہد میں ارتقا کی قوتیں رکاوٹوں سے متصادم رہتی ہیں۔ ہر عہد زندگی کے نت نئے روپ پیش کرتا ہے اور فن کار کو دعوت دیتا ہے کہ وہ شعور کے مطابق اسے فن میں زندہ کرے۔''[1]

چنانچہ تقسیم ہند کے بعد زندگی کے ہر شعبے میں اور سماج کے ہر طبقے میں جو اضطراب، انتشار، نفرت اور بیگانگی اور بے راہ روی کا دور دورہ شروع ہوا اس کی ترجمانی اس عہد کے ناولوں میں جھلکتی ہے۔ تقسیم اور فرقہ وارانہ فسادات سے پیدا شدہ معاشرے کی پراگندگی ناول نگاروں کی توجہ کا مرکز بنی۔ اس عہد میں لوگوں کے سامنے ایک بڑا مسئلہ ہجرت (ترک وطن) اور اپنے آبائی وطن کے چھوٹنے کا غم (Nostalgia) تھا۔ نتیجے کے طور پر معاشرتی زندگی بکھر گئی عجیب المیہ تھا کہ باپ پاکستان چلا گیا مگر بیٹا ہندوستان ہی میں رہ گیا۔ اسی طرح بہت سے خاندانی رشتے بچھڑ گئے۔ نئے لوگ، نئی جگہ، نئی طرز معاشرت انتقال مکانی کے بعد بہت سے مسائل کھڑے ہو گئے۔ ایک ہی زمین کی دیوار کھڑی کرنے کے بعد دونوں ملکوں کے مہاجرین کو بڑی بے چارگی کے دور سے گزرنا پڑا۔

تقسیم ہند اور اس کے بعد رونما ہونے والے فسادات پر جو ناول لکھے گئے ان میں رامانند ساگر کا مشہور ناول ''اور انسان مر گیا'' ہے۔ ساگر نے اس میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ: ''نفرت کی آخری منزل خودکشی ہے۔''[2] یہ ناول گاندھی جی کے قتل سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔

قرۃ العین حیدر نے اپنا ناول ''میرے بھی صنم خانے'' لکھ کر اپنا ایک نیا اور قیمتی

---

[1] آزادی کے بعد اردو ناول: ڈاکٹر وضاحت رضوی: ضمیمہ قومی آواز دہلی ۵ر نومبر ۱۹۸۹ء

[2] آزادی کے بعد ہندوستان کا اردو ادب: ڈاکٹر محمد ذاکر صفحہ ۲۳۴

Scanned by CamScanner

تجربہ پیش کیا ہے۔فنی نقطۂ نظر سے یہ ناول بہت ہی مقبول ہے۔اس ناول کا موضوع تقسیم ہند اور اس کے اسباب کا تجربہ اور فسادات سے ہونے والی تباہی ہے۔ناول کا اختتام ''پے چوں'' کی موت پر ہوتا ہے جس کے ذریعہ انھوں نے یہ واضح کیا ہے کہ ''پے چوں'' کی موت دراصل انسانیت کی موت ہے۔قرۃ العین حیدر کے مطابق یہ ناول عظیم انسانی ٹریجڈی یعنی تقسیم ہند کی بھرپور داستان ہے۔

اس کے بعد ان کا شاہکار ناول ''آگ کا دریا'' ہے۔یہ ناول اپنے فکروفن، ہیئت اور مواد کے لحاظ سے نہایت اہم ہے جو مصنفہ کے جدید امکانات کا پتہ دیتا ہے۔بیشتر تنقید نگار اس ناول کا موضوع وقت کا بہاؤ قرار دیتے ہیں۔دراصل غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ہندوستان کے شعوری ارتقا کی تاریخ ہے جسے بڑے ہی خوبصورت انداز سے اجاگر اور مرتب کیا گیا ہے۔قرۃ العین حیدر کا یہ ناول زندگی کی گوناگوں وسعتوں سے بھرپور ہے۔اس کے وسیع کینوس پر تہذیب وتمدن، فکروفلسفہ، رقص وموسیقی، رومانیت اور تخلیق کی پرواز اپنی تمام تر بلندیوں پر نظر آتی ہے۔انھوں نے زندگی کے کینوس کو بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے جس میں ان کا فنی شعور نمایاں ہے۔

تقسیم ہند کے بعد اور جو ناول ظہور میں آئے ان میں شوکت صدیقی کا ''خدا کی بستی'' ایک امتیازی خصوصیت کا حامل ہے۔شوکت صدیقی نے اس ناول میں پاکستان بننے کے بعد وہاں کی سماجی زندگی کے جو مسائل پیدا ہوئے انھیں بڑی بے باکی اور فنی مہارت سے نمایاں کیا ہے۔انھوں نے اپنے عہد کے پاکستانی (نام نہاد) جمہوری نظام کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے جو سرمایہ دارانہ معاشرہ، مجبور، مفلس اور غریب طبقے کے لوگوں کا استحصال کرتا ہے۔مہاجرین کے مسائل کی بھی ناول میں کامیاب تصویرکشی ہے۔اپنے عہد کے معاشرے کی سچی تصویر پیش کرنے میں انھیں کوئی ہچکچاہٹ نہیں محسوس ہوتی بلکہ وہ ان کو دور کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔یہ ناول حقیقت نگاری کی ایک مثال ہے۔

Scanned by CamScanner

اسی سلسلے میں ایک کڑی جیلانی ہاشمی کا ناول ''تلاش بہاراں'' اپنی مخصوص تکنیک کی وجہ سے ایک مرتبہ رکھتا ہے۔ناول کا پلاٹ راوی کی یاداشت کے سہارے بنایا گیا ہے۔اس میں اس بہار کا تذکرہ ہے جو آزادی کے بعد ہونے والے انسانیت سوز فرقہ وارانہ فساد کی صورت میں آتی ہے۔۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے اردو ناولوں میں سماجی شعور اور تاریخی بصیرت کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ناول نگاری کی تاریخ میں یہی وہ عہد ہے جس میں سب سے زیادہ ناول لکھے گئے۔

خدیجہ مستور سے پہلے کے ناول نگاروں کے مختلف موضوعات پر لکھے گئے شہ پاروں سے جو منظر نامہ ابھرتا ہے اس سے یہ بات واضح ہے کہ اس وقت ناول نگاری کے موضوعات میں فرقہ وارانہ فسادات اور اس سے پیدا شدہ حالات و اس کے اثرات کی عکاسی تھی۔اس سے اور پہلے کی ناول نگاری کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخی اور رومانی ناول بھی لکھے گئے جن میں پریم چند کی سی حقیقت نگاری کم تھی۔مگر کچھ دنوں بعد ترقی پسند تحریک نے ناول نگاری کو سماجی حقیقت کی عکاسی کا ذریعہ بنایا۔

اب ہم خدیجہ مستور سے پہلے کے ناولوں کے موضوعات کا ایک سرسری جائزہ پیش کریں گے جس کی روشنی میں اردو ناول نگاری اپنی منزل عروج پر پہنچ سکی ہے۔

ایک مختصر جائزہ

۱۔ نذیر احمد

ان کے ناولوں میں گھریلوں معاشرت کی تصویر کشی سماجی اقدار کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ سرشار

ان کے یہاں ماضی پر طنز و تمسخر کا انداز ہے۔

Scanned by CamScanner

۳۔ شررؔ

ان کے ناولوں میں نشاۃ الثانیہ کے جذبے کی کارفرمائی ہے۔

۴۔ رسواؔ

انھوں نے فطرت انسانی کے مطالعے کے ساتھ اس بکھرتے ہوئے سماج میں طوائف طبقہ کی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

۵ پریم چندؔ

پریم چندؔ کے ناولوں میں عام شہری زندگی کے ساتھ ساتھ اس پراگندہ سماج میں دیہاتی زندگی کی نئی پیچیدگیوں کا تذکرہ ایسا ہے جس میں حقیقت پسندی کے واضح نقوش نمایاں ہیں۔ یہ پراگندگی جو محض سیاسی وسماجی صورت حال سے ہندوستانیوں کے ایک طبقے میں خاص نمایاں تھی۔

۶ سجاد ظہیرؔ

سجاد ظہیرؔ کے یہاں ہندوستانی طلبا کی ذہنی کیفیات اور الجھنیں بڑے واضح انداز میں نمایاں ہیں۔

۷ کرشن چندرؔ

نئی پرانی قدروں کی کشمکش میں ہندوستانی تہذیب کی بے بسی ظاہر ہوتی ہے۔

۸ سجاد حسین، عظیم بیگؔ

ظریفانہ رنگ میں اس سماج کی گھریلو زندگی کے ہلکے پھلکے خاکے پیش کیے گئے ہیں۔

Scanned by CamScanner

ان کے علاوہ عصمت چغتائی، عزیز احمد اور صالحہ عابد حسین وغیرہ کے نام بھی مقبول ناول نگاروں میں ہیں۔ مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ سبھی ناول اپنے جملہ عناصر ترکیبی کے اعتبار سے ۱۹۴۷ء تک ہندوستان کے متوسط طبقے کی سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی کا واضح عکس پیش کرتے ہیں۔

''آنگن'' کے متعلق پروفیسر محمد حسن کا خیال ہے کہ:

''آنگن'' پاکستان میں لکھا گیا۔ تاریخی شعور، فنی بالیدگی اور فکری صلاحیت کے اعتبار سے کم سے کم میرے نزدیک وہ اس موضوع پر سے سے اچھا ناول ہے۔ ''میرے بھی صنم خانے'' سے کہیں آگے۔''[۱]

□□□

Scanned by CamScanner

خدیجہ مستور کے عہد میں ناول نگاری

۱۹۳۵ء کے آس پاس چند ایسے ادیب ابھر کر سامنے آئے جنہوں نے ادب کا دھارا موڑنے کی سعی کی۔ یہ لوگ ترقی پسند تحریک کے حامیوں میں تھے، جن کا ادب میں اہم مقام ہے۔ ان کے بعد کچھ ادیب اور شاعروں کا ایک گروہ اور بھی ابھرا، مگر وہ بہت عرصے تک قدم نہیں جما سکا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے کچھ جلد بازی سے کام لینا چاہا۔ یہ ترقی پسند تحریک کو اپنے خلاف ایک محاذ سمجھنے لگے۔ انھیں شکایت ہوگئی کہ یہ ادیب انھیں ابھرنے نہیں دیتے۔ ان ادیبوں کے ذریعہ بڑی تیزی کے ساتھ 'جدیدی ادب' نے جنم لیا اور باقاعدہ ایک منظم طریقے سے ایک مورچا سا ترقی پسندوں کے خلاف جم کر کھڑا ہو گیا۔ اسی دوران یہ فیصلہ لیا گیا کہ ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں کا زمانہ بیت گیا۔ اب نئے ادیبوں کا زمانہ ہے مگر شکایتیں دور نہ ہوئیں، نہ ترقی پسندوں کو کوئی (موت کے علاوہ) زمانے سے مٹا سکا۔ مگر اس سے یہ ضرور ہوا کہ ایک ناگوار فضا نے جنم لیا۔ ادیب دو حصوں میں بٹ گئے۔ جدیدی ادب کا کارواں اپنی رفتار سے آگے بڑھتا رہا۔

لیکن انھیں دنوں میں کچھ ایسے ادیب بھی ابھرے جو اس طرح کی گروہ بندی سے بہت دور سنجیدگی سے اپنا تخلیقی سفر پورا کرتے رہے۔ کیونکہ انہیں اس گروہ بندی سے کچھ لینا دینا نہیں تھا بلکہ وہ لکھنے کی لگن میں مصروف تھے۔ وہ خاموشی سے لکھتے رہے۔ ان ادیبوں میں یہ بھی complex نہ تھا کہ وہ ترقی پسند ہیں یا جدیدی۔ ان میں قاضی عبدالستار، رام لعل، واجدہ تبسم، اقبال متین اور جیلانی بانو وغیرہ کے نام خاص طور پر لیے جا سکتے ہیں۔ قرۃ العین حیدر اس گروہ میں شامل نہیں ہیں۔ انھوں نے ترقی پسند اور جدیدی ادب کے لکھنے والوں کے بیچ میں قلم اٹھایا اور اپنا ایک انفرادی مقام بنا لیا۔ ان پر کسی کا اثر نہیں۔

Scanned by CamScanner

دونوں گروہ ان کے مقام کو تسلیم کرتے ہیں۔

اسی دور میں بہت سی خواتین نے ادب میں اپنے لئے جگہ بنائی۔ ان میں خدیجہ مستور، جیلانی بانو، واجدہ تبسم، حاجرہ مسرور، عصمت چغتائی، سالحہ عابد حسین اور جمیلہ ہاشمی وغیرہ ممتاز ہیں۔ یہ وہ قلم کار ہیں جنہوں نے ہندوپاک کے ادب پر اپنا گہرا نقش چھوڑا ہے۔ ان کے قلم کی جادو بیانی ہم ان کے ناولوں میں محسوس کرتے ہیں۔ خدیجہ مستور کے عہد میں تقسیم ہند کے موضوع اور اس کے اثرات سے متعلق تمام اہم ناول نگاروں نے قلم اٹھایا اور ادب میں قابل قدر اضافہ بھی کیا۔ خدیجہ مستور کے ہم عصروں میں تمام حقیقتوں کو بہت قریب سے دیکھا اور پھر اسے اپنی تحریروں میں فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ اس کی تصویر کشی کی۔ اس دور کے قابل ذکر ناول مندرجہ ذیل ہیں:

۱	آگ کا دریا	۱۹۵۹ء	قرۃ العین حیدر
۲	اداس نسلیں	۱۹۶۲ء	عبداللہ حسین
۳	لہو کے پھول	۱۹۷۰ء	حیات اللہ انصاری
۴	ایوان غزل	۱۹۷۶ء	جیلانی بانو
۵	بستی	۱۹۸۰ء	انتظار حسین

خدیجہ مستور نے ''آنگن'' ۱۹۶۲ء میں لکھا اور اوپر جن ناولوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' کے آس پاس منظر عام پر آئے۔ ان سب میں تقسیم کے بعد پیدا ہوئے حالات اور سماج کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔ ہر ایک میں اپنا ایک منفرد رنگ اور انداز بیان نمایاں ہے۔ اس دور کے کچھ مخصوص ناولوں کا ذکر ان کے مختصر تعارف کے ساتھ پیش کر دیے جائیں تو اس دور کی ناول نگاری کی اجمالی صورت حال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

Scanned by CamScanner

''اداس نسلیں'' - عبداللہ حسینؔ

اس ناول میں عبداللہ حسین نے کئی موضوعات کو ابھار کر ان پر روشنی ڈالی ہے۔ جیسے پہلی جنگ آزادی کے بعد ہندوستان میں رونما ہونے والے حالات، انگریزوں کی جان بچانے کے عوض میں جاگیروں کی حصول یابی، انگریزوں کے اشارے پر ناچنے والے نوابین کے کردار وغیرہ۔ جہاں تک دیہی مسائل کا تعلق ہے اردو ناول میں پریم چند سے بہتر کوئی ادیب اسے پیش نہیں کر سکا ہے۔ عبداللہ حسینؔ نے اس ناول میں کچھ دیہی مسائل کو بھی موضوع بنایا ہے۔ جلیاں والا باغ حادثے کو ناول نگار نے بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اس ناول میں فنی اور لسانی خامیوں کے ساتھ ساتھ موضوعات میں بھی کوئی تنوع نہیں ہے۔

''لہو کے پھول'' - حیات اللہ انصاری

اس ناول کا شمار اردو کے بہترین ناولوں میں ہوتا ہے۔ یہ ناول پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا کینوس تحریک آزادی سے لے کر حصول آزادی اور بعد کے پہلے پانچ سالہ منصوبے تک کی موت کو احاطہ کرتا ہے انھوں نے ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کے تمام مسائل اور معاشرتی گرہوں کو سلجھانے کی خواہش بھی کی ہے۔ اس آئینے میں پورے ہندوستان کی جیتی جاگتی تصویر دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان کا مخصوص سیاسی اور سماجی نقطۂ نظر پورے ناول پر چھایا ہوا ہے۔ کہیں کہیں صحافتی رنگ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ہندوستان کے ہر طبقے کی عکاسی مخصوص تہذیبی اور روایتی انداز میں کی ہے۔ بے شمار کردار اپنے اپنے مخصوص طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جن کی اپنی زبان ہے، اپنی تہذیب اور اپنے دور کے مسائل ہیں۔

Scanned by CamScanner

''ایوان غزل'' - جیلانی بانو

یہ جیلانی بانو کا مشہور و مقبول ناول ہے۔جس کے پس منظر میں حیدرآباد کا زوال آمادہ جاگیردارانہ نظام ہے۔یہ اس عہد کی حیدرآبادی سماج کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔نئی اور پرانی قدروں کے باعث ایک جدید انقلاب کی شکل نمودار ہوتا ہے۔ظلم و استحصال کے خلاف آواز بلند کرنا انسانی عزائم اور حوصلے کو ظاہر کرتا ہے۔اس ناول میں یوں تو بہت سارے کردار ابھرتے ہیں لیکن چاند اور غزل کے کردار بڑے ہی جاندار ہیں۔جیلانی بانو نے اسے مخصوص انداز کے ناول میں زبان و بیان ،تخیل کی آمیزش ،نادر تشبیہات ، خوبصورت مکالمے اور کرداروں کی نشوونما میں ایک رچاؤ پیدا کردیا ہے۔

''بستی'' - انتظار حسین

یہ انتظار حسین کا بہترین ناول ہے۔جس کا موضوع تقسیم ہند اور ہجرت ہے۔ مرکزی کردار ذاکر کا ہے جس پر ناول نگار کا اپنا ذاتی تاثر چھایا ہوا ہے۔صابرہ کا کردار خاصی اہمیت رکھتا ہے۔''بستی'' کا مطالعہ کرنے پر پاکستانی معاشرتی اور سیاسی حالات پر کچھ سوالات ضرور ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

ناول کی تاریخ اس امر کو روشن کرتی ہے کہ ایک ہی عہد میں متعدد قسم کے تجربے کئے گئے ۔شاید یہی سبب تھا کہ ناول نگاروں کے اپنے عہد کی زندگی اور سماج کے مختلف مسائل اور تقاضوں کو مخصوص ماحول اور ذہنی شعور کے پیش نظر اسے انتہائی اور ارتقائی مدارج تک پہچانے میں کامیاب ہوئے۔جدید تجربوں اور مختلف تکنیک کے لحاظ سے اردو ناول بین الاقوامی ناول کی سطح کے قریب ہوا۔اسی زمانے میں ناول میں نئے نئے تجربے، ہیئت اور مواد کئے گئے جس سے ناول نگار کے فن کو فروغ ملا۔ناول میں اب زندگی اور سماج کے

Scanned by CamScanner

گوناگوں مسئلوں کے بجائے کسی ایک مسئلے اور ان کے مخصوص پہلوؤں کو نمایاں کرنے پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ بقول غلام محمد:

''۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی اور تقسیم کے بعد حالات میں تیزی سے تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جب ترقی پسندوں میں گرم جوشی باقی نہ رہی تو ان کے یہاں بھی سماجی، اقتصادی، لسانی رشتوں کا شعور محدود ہونے لگا۔ تخلیقات پر شہری تہذیب کے اثرات نمایاں اور حاوی ہونے لگے اور دیہی فضا کا فقدان ہونے لگا۔'' [۱]

اس دور کے ناولوں پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ ان میں فسادات کے موضوع پر اگر چہ بہت کم لکھا گیا لیکن فسادات اور تقسیم کا اثر ہمارے ناول نگاروں پر گہرا پڑا۔ معاشرتی، اصلاحی، طبقاتی کشمکش، سماجی شعور، عورت کے بے بسی لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی بیداری اعلیٰ طبقے کی جنسی بے راہ روی متوسط طبقے اور اونچے طبقے کی حسرتیں اور محرومیاں وغیرہ وہ باتیں ہیں جنہوں نے نمایاں طور پر ناول میں جگہ پائی۔ بقول ڈاکٹر محمد ذاکر:

''اس طرح اس دور کے ناول بڑی حد تک عصری زندگی کی عکاسی کرتے ہیں اور کہیں کہیں اس کی تنقید بھی۔ ان میں مواد اور تکنیک کے اعتبار سے دلکشی اور نیا پن بھی ہے۔'' [۲]

اس دور کی ناول نگاری میں واقعیت پسندی کے آثار موجود ہیں اور اچھی فنکاری کے بھی۔ ان کے لکھنے والوں کی نگاہیں اسی دنیا کے تمام انسانوں پر ہیں۔ وہ آج کی صورت حال پر ماضی کی روشنی میں غور کرنے پر مائل ہیں اور انھیں مستقبل کی فکر ہے۔ ان کی تخلیقات

۱۔ گئودان۔ ایک جائزہ: غلام محمد صفحہ ۳۱

۲۔ آزادی کے بعد ہندوستان کا اردو ادب: ڈاکٹر محمد ذاکر صفحہ ۵۵

Scanned by CamScanner

سے ان کا متوازن نظریہ، ان کی صحیح سمت اور رفتار کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

خدیجہ مستور کے عہد میں جن خواتین ناول نگاروں نے ادب میں گرانقدر اضافہ کیا ان میں خاص طور سے جمیلہ ہاشمی (تلاش بہاراں)، قرۃ العین حیدر (آگ کا دریا) اور (میرے بھی صنم خانے) جیلانی بانو (ایوان غزل) صالحہ عابد حسین (راہ عمل) اور عصمت چغتائی (ٹیڑھی لکیر) قابل ذکر ہیں۔ بقول پروفیسر محمد حسن:

''کسی ناول کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر نہیں ہے کہ اس میں ہنگامی صورت حال کی دردمندانہ عکاسی کی گئی ہے یا فرقہ وارانہ فسادات کے المیے کی تصویر کشی ہوئی ہے بلکہ اس کی کامیابی اس میں ہے کہ انسانی شخصیت کا سارا زہر ان ناولوں میں سامنے آیا ہے۔''[1]

آمنہ ابوالحسن کا نیا ناول ''سیاہ سرخ سفید'' سجاد ظہیر کا ''دشمن'' صالحہ عابد حسین کے ناول ''راہ عمل'' اور ''اپنی اپنی صلیب'' اور حامدی کاشمیری کا ناول ''بلندیوں کے خواب'' اس دور کے اچھے ناولوں میں سے ہیں۔ اس دور کی ناول نگاری کی خاص بات یہ ہے کہ یہ دور سب سے ترقی یافتہ رہا۔ اس دور کے زیادہ تر ناولوں میں تقسیم ہند کے متعلق اپنے اپنے نظریے پیش کئے گئے ہیں ان میں انسانیت کا قتل اور فرقہ واریت کا چرچہ ملتا ہے۔

□□□

---

[1] جدید اردو ادب: پروفیسر محمد حسن صفحہ ۵۱

Scanned by CamScanner

''آنگن'' کا تنقیدی جائزہ

''آنگن'' میں یوں تو ایک متوسط مسلم خاندان کی معاشرتی زندگی کے بنیادی مسائل کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کہانی گھر کے آنگن سے شروع ہوکر ہندوستان سے پاکستان تک سیاست کے دائرے میں پھیل جاتی ہے۔ گھر کے آنگن میں مذہب، سیاست، تاریخ، ادب و تعلیم کے مسائل موضوع بحث ہوتے ہیں۔ یہ ناول ۱۹۶۲ء میں لکھا گیا۔ جو ماضی اور حال دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ خدیجہ مستور کا ''آنگن'' گھریلو زندگی کے مسائل پر لکھا گیا ناول ہے۔ لیکن اس کے منظر و پس منظر میں برصغیر کا ہر گھر آنگن بن جاتا ہے۔ کینوس ایسا ہے کہ یہاں گھریلو زندگی کے مسائل کے ساتھ ساتھ باہر کی زندگی کے مسائل بھی اس میں سمٹ کر آجاتے ہیں۔ ان کے اثرات بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ''آنگن'' میں تمام موضوعات یکجا کرائے گئے ہیں خواہ وہ تہذیبی ہوں یا سیاسی، مذہبی ہوں یا تاریخی، ناول نگار نے ان سب کی پذیرائی کی ہے۔

اس ناول کے ہیئتی ڈھانچے میں بہت خوبصورت اور جامع ربط کی مثالیں ملتی ہیں۔ مصنفہ نے حیات و کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے موضوع سے بھی بے اعتنائی نہیں برتی ہے۔ البتہ ان پہلوؤں سے چشم پوشی ضرور اختیار کی ہے جو مختلف الخیال لوگوں کے بیچ انتشار کا موجب ہوں۔ اس کے باوجود مصنفہ کی اس کمزوری سے ناول کی جاذبیت، خوبصورتی اور جامعیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ بلکہ یہ اس ناول کی معنویت میں اور زیادہ خوبصورت ہوگئی ہے۔ خدیجہ مستور کی نگاہیں بڑی ہی باریک بین ہیں۔ کائنات کے رموز و نکات کی تمام باریکیوں کو انھوں نے سامنے رکھا ہے۔ انسانی زندگی کے ہر نشیب و فراز پر ان کی نگاہ ہے۔ چونکہ ناول میں توجہ کا مرکز گھر کا آنگن ہے، اس لیے دوسری معاشرتی حقیقتوں

Scanned by CamScanner

اور حیات کی صداقتوں میں الجھنا انہوں نے مناسب نہیں سمجھا۔ زندگی کی حقیقتوں کو فنکار نے ایک مخصوص نظریہ سے دیکھا ہے۔ اس وجہ سے اس کے نقوش اکثر مدھم اور مبہم ہیں۔ یہ کمزوری بھی اس کی خوبصورتی ہے۔ اس لئے اس کی گہرائی، جاذبیت اور مقبولیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ آنگن کے ماحول سے خدیجہ مستور مانوس ہی نہیں بلکہ ان تمام پیچیدگیوں اور الجھنوں سے بخوبی واقف بھی ہیں۔ مگر ان کی یہ انسیت اور واقفیت ناول کو ایک طرفہ بیانیہ ہونے سے صاف طور سے بچا لیتی ہے۔ عین ممکن تھا کہ ناول نگار آنگن سے وابستہ تجربات جو بیان کرنے کے جوش میں فنی تقاضوں کو برتنے سے گریز کرتیں اور ناول میں ذاتی تجربات و مشاہدات میں جھکاؤ کا رنگ پیدا ہو جاتا۔

''آنگن'' کی کامیابی کا سب سے اہم سبب یہ ہے کہ خدیجہ مستور نے اپنے ہی جذباتی رشتوں کو ناول کی تخلیق کے کسی مرحلے میں رکاوٹ نہیں بننے دیا ہے۔ چنانچہ اس میں ایک فطری بے ساختگی اور فنکارانہ تجربات کے تخلیقی اظہار کی خوبی پوری طرح ملتی ہے۔ ناول کی فضا میں سوگواری کی ایک کیفیت سی موجود ہے۔ البتہ اس کی آنچ کہیں بھی اتنی تیز نہیں ہوئی کہ ناول کا مجموعی حسن اس سے مجروح ہو جائے۔ ناول کے آہنگ میں ابتدائی مرحلے میں ہی ایک جانی پہچانی صورت حال اور کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ مانوس کیفیت ناول کے آخیر مرحلے تک برقرار رہتی ہے۔ کیونکہ ناول کے اختتام پر جو سوالیہ نشان ابھرا ہے اس کا جواب مشکل ہے۔ عالیہ زندگی کو کامیاب بنانے کے تمام مواقع کھو دیتی ہے اور پھر اس کے بعد لیٹی ہوئی سوچتی رہتی ہے کہ آخر اسے کیا کرنا چاہئے؟ سامنے زندگی کا ایک طویل سفر ہے۔ اسے طے کیسے کیا جائے؟

عالیہ کے سامنے جو سوالیہ نشان ہے، بالکل فطری طور پر وہی سوالیہ نشان قارئین کے سامنے بھی ابھر کر آتا ہے اور قارئین بھی عالیہ کے جذبہ و احساس میں غیر شعوری طور پر شریک ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ کہ خدیجہ مستور اس دور کے چند ناول نگاروں میں سے

Scanned by CamScanner

ہیں جنہوں نے اپنی تخلیقی ذہانت اور فنکارانہ شعور کے ذریعہ ناول نگاری کے معیار فن کا اونچا کیا ہے اور اس کے صنفی وقار میں اضافہ کیا ہے۔انہوں نے زندگی کے تجربات کو رسمی طور پر نہیں پیش کیا ہے بلکہ اپنی تخلیقی قوت اور گہری بصیرت کے ذریعہ انہیں غیر معمولی اور بلندی عطا کی ہے۔

ناول کے موضوع سے متعلق واقعات کے انتخاب، پلاٹ کے تشکیلی مرحلوں اور ناول کے مجموعی ہیئت کی تعمیر کے دوران بھی انہوں نے اپنے بلند پایہ فنی شعور، تاریخی سچائی اور بے مثل سلیقہ مندی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔''آنگن'' کا خاندان جو دوسری جنگ عظیم سے قبل آرام و آسائش کی زندگی گزار رہا تھا۔اس کی خوش حالی اور آسودگی عام معاشرتی محرومیوں سے محفوظ تھی۔ناول نگار نے بڑی احتیاط اور خوبصورتی سے اس خاندانی ماحول اور معاشرے کی عکاسی کی ہے۔حالات کی تبدیلی، سماجی تغیرات، پرانے اصولوں، تصورات کی شکست و ریخت اور نئے معاشرتی مسائل کے فروغ کے نہایت صاف و شفاف نقوش سامنے آتے ہیں۔یہ خاندان فطری طور پر نئے رجحانات سے متاثر ہوا۔تحریک آزادی کی شدت اور عوامی اضطراب بڑھا تو اس گھر کے لوگ بھی اس سے محفوظ نہ رہے۔گھر کا ماحول گاندھی، جناح، اور نہرو کے نام اور کام سے آشنا ہوتا چلا گیا۔

انسان اپنے دکھوں، غموں اور محرومیوں کو بھلانے کا لاشعوری جواز خوابوں اور کہانیوں کی دنیا میں تلاش کرتا ہے۔چھمی بھی اس زندگی اور ماحول سے اکتا کر کریمن بوا سے کہانی سنانے کی ضد کرتی ہے۔مثلاً

''ارے وہی کہانی سنادو کریمن بوا کہ ایک بادشاہ تھا۔اس کے سات بیٹیاں تھیں۔

ایک دن بادشاہ نے اپنی ساتوں بیٹیوں کو بلا کر پوچھا کہ تم کس کی قسمت کا کھاتی ہو؟ سب نے کہا کہ آپ کی قسمت کا کھاتی

Scanned by CamScanner

ہیں ۔مگر سب سے چھوٹی بیٹی نے کہا میں اپنی قسمت کا کھاتی ہوں
..........''[۱]

معاشی بدحالی سے انسان کے فکری شعور پر بھی اثر پڑتا ہے۔آخر میں وہ مذہب میں پناہ ڈھونڈھتا ہے۔مثلاً ''آنگن'' میں ایک جگہ جمیل اپنی ماں سے کہتا ہے کہ ظفر چچا کا حیدرآباد سے خط آیا ہے انہوں نے مجھے بلایا ہے اور کہا ہے کہ یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے تو جمیل کی ماں اس سے کہتی ہے :

''تو پھر چلے جاؤ نا جہاں روپیہ ہے وہاں سب کچھ ہے۔''[۲]

''کریمن بوا دعائیں کر کے لالٹین جلا رہی تھی اور سب لوگ بڑی عقیدت سے اذان کی آواز سن رہے تھے۔'' [۳]

''کریمن بوا جو سامنے ٹھنڈی ہوا میں بیٹھی گیلی لکڑیاں پھونک رہی تھیں اور گود میں رکھے ہوئے قرآن پاک کو ہل ہل کر پڑھے جارہی تھیں۔''[۴]

سماج کی معاشرتی زندگی کی اتنی سچی تصویریں کم ہی ناولوں میں ملتی ہیں ۔اس ناول کے کچھ زوال پذیر کردار مثلاً عالیہ اور صفدر جو حساس طبع ہیں ان لوگوں نے ایک نئے ملک میں پناہ لی مگر یہ ملک ایسا تھا کہ جہاں تغیر پسند حالات نے کوئی واضح اور متعین سمت اختیار نہیں کی تھی۔ناول نگار نے فضا آفرینی کی بہترین مثال پیش کر کے ناول کے مکانی پس منظر میں روح ڈال دی ہے۔ناول میں اس معاشرے کی شاندار عکاسی کی گئی ہے جو کبھی

---

۱ آنگن: خدیجہ مستور صفحہ ۴
۲ آنگن: خدیجہ مستور صفحہ ۲۳۵
۳ آنگن: خدیجہ مستور صفحہ ۱۲۹
۴ آنگن: خدیجہ مستور صفحہ ۲۳۳۔۲۳۴

Scanned by CamScanner

جاگیرداری کا فیضان حاصل کر چکا تھا۔اس معاشرے پر تحریک آزادی اور ہندو مسلم سیاست کا گہرا اثر بھی نمایاں ہوا۔جس کی وجہ سے ناول اور زندگی کے رشتے میں توانائی اور مضبوطی آئی ہے۔قیام پاکستان کے بعد عالیہ اپنی ماں کے ساتھ لاہور چلی جاتی ہے اور اس کے ماموں ایک خوبصورت کوٹھی کا تالا توڑ کر بیٹی کو منتقل کر دیتے ہیں۔یہ کوٹھی کسی ہندو کی تھی جو نامعلوم کن حالات میں اپنا سب کچھ چھوڑ گیا تھا۔

ناول سے متعلق واقعات کی فضا بندی میں شعوری قوت کا مظاہرہ ہے۔واقعات سے فضائیں اس طرح ہم آہنگ ہیں کہ تاثر میں کہیں انتشار نہیں پیدا ہوتا۔شالی ہند میں متوسط طبقے کے مسائل اس کی معاشی الجھنیں ،قومی تحریکیں اور ملک کی سیاست میں مسلمانوں کی قیادت شادی بیاہ کی رسم ورواج ،جہیز کے کپڑے اور شادی کے گیت وغیرہ کو خدیجہ مستور نے اتنے موثر اور دلکش انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری خود کو اسی ماحول میں محسوس کرتا ہے۔یہ اقتباس ملاحظہ ہوں:

''چادر کی آڑ میں چھپ کر چھمی نے پیلا جوڑا پہن لیا اور ساجدہ آپا نے اس کے ہاتھوں میں مہندی لگا کر اپنے آنسو پونچھ لیے۔''[1]

''کھانے کے بعد چھمی کی رخصتی کا سامان شروع ہو گیا۔ گلی میں کھڑے ہوئے تانگوں پر جہیز کا سامان لادا جا رہا تھا اور عورتیں گیت بڑی دلچسپی سے گا رہی تھیں۔''

''ہم کو دیا پردیس رے سکھیاں بابل مورے'' [2]

فضا اور معاشرہ نگاری میں بھی خدیجہ مستور نے یہ احتیاط برتی ہے کہ اسلوب کو

---

[1] آنگن: خدیجہ مستور صفحہ ۲۳۳۔۲۳۴

[2] آنگن: خدیجہ مستور صفحہ ۲۴۰

Scanned by CamScanner

وضاحتی اور بیانیہ ہونے سے بچا لیا ہے۔وہ ماحول کو قصداً نہیں پیش کرتیں بلکہ خود ہی واقعات کے ذریعہ اس کی تصویریں قارئین کی نگاہوں میں آجاتی ہیں۔خدیجہ مستور نے اس ناول میں نجمہ پھوپھی کا کردار پیش کر کے ان لوگوں کے منہ پر طمانچہ لگایا ہے جو انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ذہنی بیماریوں اور پیچیدگیوں (complexes) کے شکار ہو جاتے ہیں جن کو اپنے آپ پر اعتماد نہیں ہوتا۔نجمہ پھوپھی نے انگریزی میں ایم۔اے۔کیا ہے لہٰذا اردو، عربی اور فارسی پڑھنے والوں کو جاہل ہی نہیں بلکہ حقیر سمجھتی ہیں اور کسی کو منہ نہیں لگاتی ہیں۔یہ بیجا انانیت فوقیت وخودستائی کا جذبہ (superiority complex) ہے ناول نگار کے لفظوں میں:

''میں جس طرح پڑھاؤں اسی طرح پڑھو۔یہ اردو نہیں
کہ ہر جاہل پڑھ لیتا ہے، یہ انگریزی ہے۔.......''
''اس خاندان کی جہالت کبھی نہ جائے گی کوئی اس لائق
نہیں کہ بات کر کے ہی خوش ہو۔'' [1]

متوسط مسلم گھرانوں کی عورتوں کی فطرت اور نفسیات کا خدیجہ مستور نے بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے۔عالیہ کی ماں جیسا کردار، حیدرآباد، لکھنؤ، عظیم آباد، دہلی اور ہر اس شہر اور قصبے میں مل جائے گا جہاں مسلم تہذیب اور معاشرے کی گہری چھاپ ہے۔ناول میں بڑی چچی اور عالیہ کی ماں کو اکثر چھالیہ کترتے ہوئے دکھانا خاص مسلم معاشرے کی نشاندہی کرتا ہے۔اس سماجی پس منظر میں چھالیہ کترنا جاگیردارانہ ماحول اور مٹتی ہوئی مسلم تہذیب کی علامت بن گیا ہے۔مثال کے طور پر ناول کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''اماں تخت پر بیٹھی چھالیہ کاٹ رہی تھیں اور بڑی چچی
چنے کی دال چن رہی تھیں۔ان کا دکھوں میں گھرا ہوا چہرہ کس قدر

---

[1] آنگن: خدیجہ مستور صفحہ ۱۷۵

کھنڈر ہو رہا تھا۔ سارے دکھ سارے درد ان کے چہرے کی رعنائی کو

توڑ پھوڑ کر اب بھی اپنا چہرہ نہ چھوڑ رہے تھے۔"[1]

''آنگن'' کے ابتدائی حصے میں فلیش بیک کی تکنیک اپنا کر خدیجہ مستور نے یادوں کے سہارے ناول کے قصے کو آگے بڑھایا ہے۔ اس کا احساس ناول نگار کو بھی ہے کہ اگر یادیں نہ ہوں تو زندگی کتنی دشوار ہو جاتی ہے۔ معاشرے کی ترجمانی کے لیے پلاٹ سے وابستہ واقعات سے خدیجہ مستور الگ نہیں ہوتیں۔ واقعات آپس میں اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ اس سے متعلق معاشرتی، سیاسی اور سماجی پس منظر آپ ہی سامنے آ جاتا ہے۔ حالات کی ایسی جامع اور سچی تصویریں بہت ہی کم پیش کی گئی ہیں۔ گھر کے جھوٹے رکھ رکھاؤ، مصنوعی رسم و آداب اور جاگیردارانہ معاشرے کی عکاسی میں بھرپور طنز اور بڑی بے باکی ہے جو قاری کو متوجہ کرتی ہے۔

واقعہ نگاری

'آنگن' کی واقعہ نگاری میں توازن کا گہرا شعور ملتا ہے۔ یہ ایک عہد اور معاشرے کے آنگن کی کہانی ہے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ ہر گھر کے آنگن کی کہانی بن گئی ہے۔ رشتوں کی ڈھیلی ہوتی اور ٹوٹتی ہوئی کڑیاں خاندان کو منتشر کرتی ہیں۔

ناول میں شروع سے آخر تک واقعات کا ایک مربوط تسلسل ہے اور کوئی واقعہ غیر ضروری نہیں پیش کیا گیا ہے۔ اختصار، وسعت، جامعیت اور تہہ داری کے لحاظ سے یہ ناول اپنی مثال آپ ہے۔ اس کا ہر واقعہ ناول کے دلچسپ عناصر میں اضافے کا سبب ہے۔ واقعات سطحی، سپاٹ اور کھردرے نہیں ہیں۔ منظم مربوط، خوبصورت اور ترشے ہوئے ہیں۔ ہر واقعہ ناول کے کردار یا ماحول کی نفسیات کی وضاحت کرتا ہے۔ ناول کے تمام کردار ہماری روزمرہ کی زندگی کے واقعات کے ترجمان ہیں۔ یہ واقعات اپنی فنی ترتیب اور تنظیم کے

[1] آنگن: خدیجہ مستور صفحہ ۲۰۰

ساتھ یکے بعد دیگرے آتے ہیں کہ کہیں پر اس کا شبہ بھی نہیں ہوتا کہ ان میں سے کوئی فرضی اور مصنوعی ہے۔ یہ ناول تحریک آزادی کے دور کا عکاس ہے، وہ عہد جب ہر گھر گویا سیاسی معاملات و مسائل کا مرکز بنا ہوا تھا۔

مسلم لیگ اور کانگریس کے نقطۂ نظر کی وضاحت اور اختلافات کو پیش کرنے کے لئے چھمی اور بڑے چچا کے کرداروں کی تخلیق کی گئی ہے۔ایسے موضوع کا غیر ضروری واقعات کے ساتھ ''آنگن'' کے پلاٹ میں داخل ہو جانا اس کی فضا کو بوجھل بنا سکتا تھا۔ لیکن خدیجہ مستور نے انتہائی کمال اور احتیاط کے ساتھ پلاٹ کی روانی کو بڑھایا، ناول کی فضا کو بوجھل ہونے سے بچالیا۔ یہ ان کے فنکارانہ شعور کی بہترین مثال ہے۔ گھریلوں حالات کے جبر و دباؤ کی وجہ سے کردار میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور واقعات میں جو نشیب وفراز آتے ہیں وہ بھی خدیجہ مستور کی فنکاری کے آئینہ دار ہیں۔

''آنگن'' کے سبھی کردار اپنی افتادِ طبع، مزاج اور میلان کے اعتبار سے الگ الگ رنگ و انداز رکھتے ہیں۔ مگر رونما ہونے والے واقعات کے تاثرات میں اتحاد کا ایک رشتہ قائم ہے۔ان واقعات کے اظہار کے لیے حقیقی فطری اور موثر زبان استعمال کی گئی ہے۔ عالیہ کے والد کے ذریعہ انگریز افسر کا سر پھوڑ اجانا، عالیہ کے والد کا جیل جانا، جیل میں انتقال کرنا، عالیہ کا چچا کے ساتھ رہنا، سیاسی مصروفیات کی وجہ سے چچا کی دوکان کا متاثر ہونا، گھر کی تنگ دستی اور معاشی بدحالی کا بڑھنا، شکیل کا گرہ کٹ بننا اور بی.اے. پاس جمیل کا مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کرنا اور عالیہ، چھمی، صفدر، جمیل سے متعلق واقعات نہایت فطری انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔واقعات کے انتخاب جملوں کی تراش و خراش اور الفاظ کی نشست و برخاست میں خدیجہ مستور نے اعلیٰ درجے کی فنی سلیقہ مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ واقعہ نگاری بے حد مربوط ہے اس کی جامعیت اور تاثر میں کہیں سے کوئی کمی نہیں محسوس ہوتی۔ جب ناول نگار کسی نظریاتی وابستگی کا پابند ہوتا ہے تو وہ اپنے مخصوص مقصد کی ترجمانی،

Scanned by CamScanner

تبلیغ اور وکالت میں کبھی کبھی اس حد تک ڈوب جاتا ہے کہ اسے فنی قدروں کا بھی خیال نہیں رہ جاتا۔ جوش تحریر اسے عدم توازن کی جانب لے جاتا ہے۔ ''آنگن'' کی واقعہ نگاری کی خوبصورتی میں خدیجہ مستور کی اعتدال پسندی کا بہت بڑا داخل ہے۔ ناول پڑھنے کے دوران قارئین کو کسی مقصد کی خبر نہیں ہوتی۔ ناول کے واقعات کو انہوں نے بے روک ٹوک فطری طور پر بہنے دیا ہے۔ خدیجہ مستور نے ''آنگن'' کی واقعہ نگاری میں بہت احتیاط، ہوشمندی اور تخلیقی بصیرت سے کام لیا ہے۔

فضا آفرینی

''آنگن'' میں مناظر کی زیادہ گنجائش نہیں ہے لیکن حسب ضرورت جو منظر پیش کیے گئے ہیں وہ دلکش اور موثر ہیں۔ ماحول نگاری اور معاشرہ طرازی کے سلسلے میں خدیجہ مستور کے تخلیقی جوہر نے کمال فن دکھایا ہے۔ تقسیم ہند کی ہولناکیوں اور فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلے میں متعدد ناول لکھے گئے ہیں۔ ادیبوں نے نہایت حقیقت پسندی، دیانت داری اور خلوص کے ساتھ حالات کا تجزیہ کیا اور جائزہ لیا ہے۔ لیکن خدیجہ مستور نے اس ناول میں کچھ ایسی باتوں پر سے بھی پردے اٹھائے ہیں جو عام طور پر لوگوں کی نظروں کے سامنے نہیں تھے۔ یہاں انہوں نے حالات و احوال کا نہایت حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان میں مہاجرین اور ہندوستان میں شرنارتھیوں نے بڑی چالاکی اور مکاری کے ساتھ مکانات وغیرہ پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

سچائی اور حقیقت سے بھرپور نقشے خدیجہ مستور نے اس ناول میں پیش کیے ہیں۔ اس میں عام زندگی کے ماحول کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ گھر کے ماحول اور سماجی حالات کی عکاسی پر ناول نگار کو پوری قدرت حاصل ہے۔ پرانے گیتوں کے ٹکڑوں اور رسموں کے بیان نے اس ناول کی معاشرہ نگاری کی واقعات میں اضافہ کر دیا ہے۔ خدیجہ مستور معاشرہ طرازی کے لیے نہ بیانیہ انداز اختیار کرتی ہیں نہ جذباتی۔ صفدر کی شادی

Scanned by CamScanner

کی پیش کش کو عالیہ ٹھکرا دیتی ہے اس جذباتی منظر کو خدیجہ مستور نے بڑے ہی متوازن انداز میں یوں پیش کیا ہے۔

''جب میں اپنے کمرے میں بے سدھ پڑی تھی تو اسے
ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ چھمی اس کے سینے پر دھم دھم کرتی گزر گئی۔
میں نے آپ کو ہرا دیا بجیا میں نے آپ کو ہرا دیا۔''[1]

ٹھنڈی چاندنی رات ہو یا تپتا ہوا دن، جاڑے کا موسم ہو یا گرمی کی رت، ناول میں جہاں بھی قدرتی منظر کو پیش کیا گیا ہے قاری خدیجہ مستور کی جادو بیانی میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ منظر دیکھئے:

''سردیوں کی رات کتنی جلدی سنسان ہو جاتی ہے۔ آج
بھی شام سے بادل چھا گئے تھے، خنکی بڑھ گئی تھی۔ کھڑکی کے پاس
لگے ہوئے بجلی کا بلب خاموش جل رہا تھا۔ گلی کے اس پار اسکول کی
ادھ بنی عمارت کے قریب درختوں کے جھنڈ سے الو کے بولنے کی
آواز کی نحوست رات کو اور بھی سنسان کئے جا رہی تھی۔''[2]

ناول کی کامیابی کا راز اس کے پر اثر اور جاندار فضا آفرینی بھی ہے۔ خارجی فضا آفرینی کے تحت منظر نگاری کے علاوہ ماحول نگاری اور جزئیات نگاری کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس ناول میں فضا آفرینی کے کہیں کہیں دلکش نمونے ملتے ہیں جب چھمی اپنے بچے کے ساتھ بڑے چچا کے یہاں آتی ہے تو گھر کا سوگوار ماحول ایک پر رونق اور خوشگوار فضا میں تبدیل ہو جاتا ہے خدیجہ مستور نے اس پر مسرت لمحے کی عکاسی بڑے دلکش انداز میں کی ہے۔ بچوں کی فطرت اور عادات پر ان کی گہری نگاہ ہے وہی بچے جو کچھ دیر پہلے چھمی کے

---

1. آنگن: خدیجہ مستور صفحہ ۳۵۲
2. آنگن: خدیجہ مستور صفحہ ۶

Scanned by CamScanner

ساتھ نعرے لگا رہے تھے، بڑے چچا کو دیکھتے ہی ان میں کھلبلی مچ جاتی ہے۔

اس میں ناول نگار نے بچے کی نفسیات، اس کی اندرونی کشمکش اور ذہنی کیفیات کی بڑی بھرپور ترجمانی کی ہے۔ کسّم دیدی کی لاش کے منظر کو پیش کر کے عالیہ پر یہ تاثر چھوڑنا چاہا ہے کہ محبت کا انجام الم ناک ہی نہیں عبرت ناک بھی ہوتا ہے۔ جب کبھی عالیہ کے دل میں جمیل بھائی کے لیے کوئی لطیف جذبہ ابھرتا یا ان کے بارے میں سوچتی تو کسّم دیدی اور تہمینہ کی یادیں اسے ستانے لگتی تھیں۔

ناول نگار نے جانب داری، جذباتی اور نظریاتی وابستگی کے بغیر مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کے خامیوں کی ذہنی کیفیات اور احساسات کی بھی عکاسی کی ہے۔ عورتوں کی کیفیات اور ان کے احساسات کو بھی خدیجہ مستور نے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے بعض واقعات پیش کر کے ناول میں ایسی شدت پیدا کر دی ہے کہ قاری اس وقت تک ان کی گرفت میں رہتا ہے جب تک کہ کوئی دوسرا واقعہ سامنے نہ آجائے۔ ان کے اس انداز کا مقصد یہ ہے کہ اس عہد کے معاشرے، ماحول، تہذیب اور مسائل کو تفصیل سے پیش کر دیا جائے۔ خدیجہ مستور نے گھر کے غیر معمولی واقعات تک پہنچنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ''آنگن'' کی واقعہ نگاری میں انوکھی وسعت اور روزمرہ کے تجربات میں ایک خاص بلندی ہے۔ ناول سے وابستہ واقعات کرداروں کے احساسات و جذبات کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس ناول میں خدیجہ مستور نے ایک عورت ہونے کی وجہ سے ایک عورت کے نفسیات کی عکاسی بڑے ہی خوبصورت انداز سے کی ہے۔

مکالمہ نگاری

''آنگن'' کے مکالمے مختصر مگر چست، فطری اور برجستہ ہیں۔ کہیں کہیں ادھورے جملہ سے بھرپور تاثر قائم کیا گیا۔ جذباتی موقعوں پر کہیں کہیں انتہا پسندانہ مکالمے آتے ہیں لیکن کہیں کہانی کے فطری بہاؤ میں رکاوٹ نہیں بنتے بلکہ اس کے ارتقا میں معاون ثابت

Scanned by CamScanner

ہوتے ہیں۔ جمیل کی ماں کو جب پتہ چلتا ہے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گیا ہے اور عملی سیاست میں دلچسپی لینے لگا ہے تو وہ اپنی شدید ناراضگی اور غصے کا اظہار کرتی ہیں۔ کہیں کہیں طنزیہ فقروں کی نشتریت بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ جمیل عید ملنے کے بہانے عالیہ کے کمرے میں آ جاتا ہے اور عالیہ سے اظہار محبت کرنا چاہتا ہے اس حرکت سے عالیہ بہت ہی برہم ہو جاتی ہے:

''خدا کے لیے جمیل بھیا ٹیڑھی میڑھی باتیں نہ کیا کیجئے اچھے بھلے انسان بن جایئے مجھے محبت وجت سے کوئی دلچسپی نہیں ۔........''[1]

''ایک بارگی لائبریری میں اس موضوع پر کوئی کتاب مل گئی ہے۔''[2]

اس طرح انہوں نے مکالموں میں طنزیہ اشاروں اور کنایوں سے بھی کام لیا ہے۔ غرض کہ ناول نگار نے کرداروں کے ذہنوں جذباتی لگاؤ اور اس کے سیاسی، سماجی، تہذیبی اور معاشرتی پس منظر کو خوبصورت مکالموں کے ذریعہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ چھمی کو عید کے موقعہ پر اس کے والد صرف پانچ روپیہ ہی بھیجتے ہیں تو اس کو وہ پھاڑ کر پھینک دیتی ہے اور افطار کے وقت شربت پی کر ہی رہ جاتی ہے۔

کردار نگاری

کردار نگاری کو ناول کی جان کہا جا سکتا ہے۔ یہ بہت ہی اہم عنصر ہے۔ ناول نگار نے ایسی زندگی اور کردار کو اپنے ناول کا موضوع بنایا ہے جس کو اس نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ''آنگن'' کے سارے کرداروں کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے۔ ان میں سے

---

۱ آنگن: خدیجہ مستور صفحہ ۱۰۷

۲ آنگن: خدیجہ مستور صفحہ ۱۰۷

Scanned by CamScanner

کوئی مسلم لیگ کا ہے اور کوئی کانگریسی، سب کا مقصد صرف آزادی حاصل کرنا ہے۔اس ناول کے اہم کردار مندرجہ ذیل ہیں۔

عالیہ

یہ ناول کا مرکزی کردار ہے جو مشرقی طرز کی تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ خاندانی روایت کی پابند ہے۔ اپنے سماج اور معاشرے سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ سماج میں تبدیلی آئے گی مگر وہ بغاوت کرنے سے ڈرتی ہے۔ مشرقی طرز پر محبت بھی کرتی ہے۔ عالیہ ناول کی تہذیبی دنیا کا نمائندہ کردار ہے۔ خاندان کی عزت اور والدین کا احترام بھی کرتی ہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان چلی جاتی ہے۔ چھمی کے مقابلے عالیہ سنجیدہ اور نرم مزاج ہے۔ عالیہ دھیمے بہنے والی ندی کی طرح ویرانوں کو طے کرتی ہوئی میدان میں داخل ہو جاتی ہے۔ عالیہ بہت حساس ہے گرد و پیش کے واقعات سے شدید طور پر متاثر ہوتی ہے۔ عالیہ ایک سماجی کارکن ہے۔ صفدر سے قریب ہو کر بھی اس سے اس لئے دور ہو جاتی ہے کہ صفدر تقدیر کو بدلنے والی عوامی جنگ میں تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے اس پر وہ عالیہ کی ہمدردی کھو بیٹھتا ہے کیونکہ عالیہ اسے اس کی کم ہمتی سے تعبیر کرتی ہے۔ عالیہ اس سے شادی کا اقرار کرنے کے بعد اس اقرار کو انکار میں تبدیل کر دیتی ہے۔

عالیہ میں سوجھ بوجھ اور میانہ روی کا عنصر بھی موجود ہے۔ وہ مخصوص قدروں کی نمائندگی کرتی ہے بعض اوقات مقصد، اصول اور نظریے کی دھارا تنی تیز ہوتی ہے کہ سارے رشتے ناطے کٹ جاتے ہیں۔ وہ سب کچھ دیکھتی ہے اور محسوس کرتی ہے۔ اس کے شعور کی پختگی اور ذہنی بیداری ناول کے اختتام پر شدت سے ابھرتی ہے۔ شعوری نفاست، تہذیبی رکھ رکھاؤ، روایتی قدروں سے وابستگی اور عصری تقاضوں کے احساس کی مکمل ہم آہنگی اس کی سیرت میں نظر آتی ہے۔ بڑی بہن تہمینہ کی موت کا اس پر گہرا اثر پڑتا ہے اور کسم دیدی کی خودکشی بھی اس کے دل پر دیرپا اثر چھوڑ جاتی ہے۔ شروع میں وہ حالات کی ایک خاموش

Scanned by CamScanner

تماشائی سی ہے۔آہستہ آہستہ اس کے اندر ایک زندہ قوت ابھرنے لگتی ہے اور نئی زندگی کا شعور جاگتا ہے۔عالیہ مشرقی تمدن کی خوبصورت علامت ہے۔

عالیہ ایک تہہ دار کردار ہے ظلم، جبر وتشدد اور شخصیت کے استحصال سے عاجز آ کر وہ ماں کے خلاف صفدر کی حمایت میں اعلان کرتی ہے۔عالیہ کے کردار میں ٹھہراؤ اور سنجیدگی اور متانت کے ساتھ خودداری کا عنصر بھی ہے۔سارے کردار اپنے معاشرے اور خاندان کی کسی نہ کسی طرح برابری کا اظہار کرتے ہیں۔

چھمی

یہ کردار عالیہ کے برعکس ہے۔چھمی تعلیم یافتہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کی تربیت ہوئی ہے۔حالات سے تنگ آ کر چڑ چڑی ہو جاتی ہے۔حساس و باشعور ہے۔اسے والدین کا سایہ نصیب نہیں تھا۔یہ مسلم لیگی نظریہ رکھتی ہے۔چونکہ جس بڑے چچا کے گھر اس کی پرورش ہو رہی تھی وہ کانگریسی تھے اس لئے دونوں میں اختلاف تھا۔جمیل سے عشق میں ناکامی کے بعد وہ منظور کی طرف مائل ہوتی ہے یہاں بھی وہ ناکام ہوتی ہے۔پھر ایک دیہاتی سے خاندان والوں کی مرضی کے مطابق شادی کرتی ہے مگر پاکستان نہیں جاتی ہے۔شوہر سے طلاق لے کر جمیل سے دوسری شادی کر لیتی ہے۔

چھمی کی شخصیت قارئین کے لئے بے حد پرکشش ہے اس میں زندگی اور قوت ہے، ناسازگار صورت حال اس کے کردار کو ناہموار کر دیتی ہے۔ چڑ چڑا پن اور بدمزاجی اس کی صفت بن جاتی ہے۔گھر کے افراد کی پرواہ نہیں کرتی ہے۔جو جی میں آتا ہے کہہ دیتی ہے۔باپ کی کئی شادیاں فطری طور پر چھمی کو ناپسند ہیں۔اس کی جہالت میں صداقت اور گنوار پن میں سادگی اور صاف گوئی کا عنصر ہے۔اس کا کردار گھر کے جھوٹے وقار اور بناوٹی رکھ کھاؤ پر ایک بھرپور طنز ہے۔چھمی کو حالات ہر طرح سے مجبور کرنے کی

Scanned by CamScanner

کوشش کرتے ہیں مگر وہ مقابلہ کرتی ہے۔مجموعی طور پر چھمی کا کردار بہت دلچسپ، پر اثر اور زندگی سے بھر پور ہے۔

تہمینہ

یہ عالیہ کی بڑی بہن ہے۔جو گھریلوں صفات کی حامل لڑکی ہے۔صفدر سے بہت پیار کرتی ہے اور دل و جان سے اسے چاہتی ہے۔کیونکہ صفدر ایک اچھی شخصیت کا مالک ہے۔بے باک بے خوف اور تعلیم یافتہ۔تہمینہ ایک مشرقی لڑکی ہے جو روایت پسند ہے اور رسم ورواج کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کر سکتی۔اس کی ماں صفدر سے شادی کے خلاف ہے اور شادی نہیں ہونے دیتی۔تہمینہ اپنی محبت میں ناکامی کے بعد افیون کھا کر خودکشی کر لیتی ہے، لیکن گھر کے اس رویے کے خلاف احتجاج نہیں کر پاتی۔تہمینہ کی خودکشی کا عالیہ پر اثر پڑتا ہے، کیونکہ وہ ایک حساس طبع لڑکی ہے۔

کسم دیدی

ان کا کردار بہت مختصر ہے۔جوانی میں بیوہ ہو گئی ہیں۔اپنے دھرم کے مطابق دوسری شادی نہیں کر سکتیں۔اس روایت کے خلاف وہ آواز بلند کرتی ہیں۔ایک نوجوان کی بے وفائی کا شکار ہوتی ہیں۔سماج میں رسوائی کے ڈر سے خودکشی کر لیتی ہیں۔

کریمن بوا

کریمن بوا اور دادی اماں ہر حال میں خوش رہنے والے کردار ہیں۔کریمن بوا کی اماں عالیہ کی خاندان میں اس کی دادی کے ساتھ دولہن کا جہیز بن کر آئی تھیں، جو اس خاندان کی خادمہ ہیں اور کافی سمجھدار ہیں۔دنیاوی مسائل اور الجھنوں سے بے نیاز ہیں۔کریمن بوا مذہبی ہیں۔پرانے کئی زمانے دیکھے ہیں اور تجربہ کار ہیں۔

صفدر

اس ناول میں صفدر کا کردار قابل ذکر ہے اس کی ماں (عالیہ کی خالہ) نے اپنے

Scanned by CamScanner

ہی خاندان کے ایک ملازم سے شادی کر لی تھی۔اس لیے وہ کم حیثیت کا سمجھا جاتا تھا۔یہ بھی حساس طبع کردار ہے۔عالیہ کی بڑی بہن تہمینہ سے والہانہ محبت کرتا تھا مگر اس رشتے کو ازدواجی زندگی میں بدلنے میں ناکام رہا۔حالات سے لڑتا ہے مگر ہمت نہیں ہارتا۔تہمینہ کی خودکشی کے بعد عالیہ اسے متاثر کرتی ہے کیونکہ عالیہ میں اسے تہمینہ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ وقت اور حالات صفدر کے اندر تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں۔تہمینہ کے رشتے کے سلسلے میں عالیہ کی ماں نے ڈھتکار دیا تھا۔مگر اپنی اس توہین کو بھی وہ فراموش کر جاتا ہے۔ناول کے آخر میں پھر ایک بار اپنی چچی سے التجا کرتا ہے۔صفدر کا کردار ناول کی ابتدا میں کچھ متحرک نظر آتا ہے۔یہ ایک ایسا باہمت نوجوان ہے جو اپنے باپ سے بھی ٹکرانے کو تیار ہے۔فطرت کے چیلنج کو بھی قبول کرنے کو تیار ہے۔علی گڑھ سے واپسی ہونے پر اس کے اندر بڑا انقلاب پیدا ہو چکا ہے۔اس انداز فکر کا یہ کردار اس پوری نسل کی ذہنی کیفیات کی نمائندگی کرتا ہے۔اس کی شخصیت کو حالات نے اس طرح توڑا اور بکھیرا ہے کہ اس کی انفرادیت، حوصلہ اور طاقت ختم ہو گئی اور حالات کے رخ پر بہنے کے لئے تیار ہو گیا۔

اسرار میاں

ضمنی کرداروں میں اسرار میاں کا کردار سب سے جاندار ہے۔عالیہ کے دادا کی داشتہ کی اولاد ہیں۔گھر کا سارا کام کرنے کے باوجود بھی کوئی حیثیت نہیں حاصل ہے۔یہ قارئین پر اثر دیر تک قائم رکھتا ہے۔ان کی زندگی المناکیوں، محرومیوں اور دکھوں کی داستان ہے۔یہ شرافت ایثار اور خلوص کا پیکر ہیں مگر داشتہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے سماج میں کوئی وقار نہیں ہے۔مسائل حیات ہمیشہ ان کے ساتھ چمٹے رہے گھر میں لوگوں کا برتاؤ ان کے ساتھ نفرت آمیز ہے۔وہ بیٹھک سے آگے نہیں جا سکتے۔ان کی مجبوری، بےبسی، وفاداری اور محرومی کا قارئین پر گہرا اثر ہوتا ہے۔یہ کردار دراصل جاگیردارانہ نظام پر ایک گہری چوٹ ہے ساتھ ہی داشتہ رکھنے کے رواج پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دراصل عالیہ اور چھمی ہی کی وجہ سے ''آنگن'' میں جان آئی ہے اور اس کا پلاٹ پر اثر ہو سکا ہے۔ یہ دونوں کردار ہمارے معاشرتی انداز حیات پر پوری طرح مرکوز ہو گیا ہے۔ صفدر کا عشق خاندان کے اندر ہی اندر ہوتا ہے یہ بھی مسلم معاشرے کی خصوصیت ہے۔

جمیل

جمیل کا کردار ادھورا رہ گیا ہے۔ وہ متاثر نہیں کرتا۔ حالانکہ ناول کے پلاٹ میں اس کا اہم مقام ہے۔ ناول میں اپنے فرائض کے اعتبار سے وہ بھرپور تاثر قائم نہیں کر سکا۔ گھر کے کچھ لوگ مسلم لیگ کی حمائت کرتے ہیں۔ ابتدا میں جمیل چھمی سے محبت کرتا ہے اور اسی کے روپیوں سے بی.اے. کی ڈگری حاصل کرتا ہے۔ لیکن جب عالیہ اس کے گھر آ جاتی ہے تو وہ عالیہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ جمیل ایک ماہر کھلاڑی کی طرح عالیہ پر جذباتی اور نفسیاتی اثر ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اور کئی بار عالیہ لڑکھڑاسی جاتی ہے لیکن وہ اس کے دام سے خود کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدیجہ مستور نے ''آنگن'' کے کرداروں کو بڑے فنکارانہ انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ واقعات کے ساتھ ساتھ یہ کردار منظر عام پر آئے ہیں اور اپنے فرض ادا کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ واقعات کے نشیب و فراز پر اپنی ذہنیت کو مکمل اور نمایاں کرتے ہیں اور گہرے نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کرداروں کا نہایت ہی فطری انداز میں ارتقا ہوا ہے۔ خدیجہ مستور نے انہیں نئی زندگی دی ہے اور انہیں اس طرح پیش کیا ہے کہ سارے کردار اپنی فطری و فکری پیچیدگیوں ،نفسیاتی کشاکش اور جذبہ واحساس کے ساتھ ناول کے صفحات پر نمودار ہوتے ہیں۔

خدیجہ مستور کی کردار نگاری اس لیے بلند اور معیاری ہے کہ وہ اپنے کرداروں کی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہیں اور اپنے کرداروں کے جذبات واحساسات ،خیالات و نظریات کی ترجمانی میں انہیں مہارت حاصل ہے۔ مختلف کراروں میں ہم آہنگی ناول نگار

Scanned by CamScanner

کے فکر وفن کی نشاندہی کرتی ہے۔

پلاٹ

''آنگن'' کے پلاٹ میں سادگی کے ساتھ وسعت ہے۔ یہ ماضی اور حال کے درمیان ہی تشکیل پاتا ہے اور انجام تک پہنچتا ہے۔ مستقبل کے تصور سے اس کا واسطہ نہیں ہے۔ اس ناول کا مرکزی قصہ گھر کے آنگن اور کنبے کے افراد کی دنیا سے باہر نہیں نکلتا۔ پھر بھی ایک خاص بلندی سے معاشرے کے تمام اہم عصری مسائل اور حالات کا یہاں جائزہ لیا گیا ہے۔ فن کار کی نگاہ میں پوری کائنات ہے مگر یہ کائنات ناول کے قصے کے پس منظر میں ہے۔ ''آنگن'' کے پلاٹ کی تشکیل میں خدیجہ مستور نے فنکارانہ مہارت اور ہنر مندی سے کام لیا ہے۔

ناول کا پلاٹ مربوط اور جامع ہے۔ جس کا ارتقا فطری انداز اور منظم عہد میں ہوا ہے۔ واقعاتی اور مکالماتی سطح پر بھٹکنے کے متعدد مواقع بھی آئے۔ خاص طور سے مسلم لیگ اور کانگریس کے سیاسی نظریات کے تصادم کے مرحلے میں خدیجہ مستور اپنا ذاتی نقطۂ نظر پیش کر سکتی تھیں مگر وہ بے حد احتیاط کے ساتھ اس منزل سے گزر گئیں۔ پلاٹ کی تشکیل میں جس خلوص اور دردمندی سے کام لیا گیا ہے، اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر اس کے اندر جاذبیت اور دیرپا کشش پیدا ہوگئی ہے۔ تہمینہ اور کسم دیدی کی خودکشی، صفدر اور اسرار میاں کے المیے پلاٹ کی تشکیل کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں اور قارئین کو جاگیردارانہ تمدن کی کھوکھلی اور فرسودہ روایات کی انسانیت سوزی پر سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ عالیہ چھمی اور جمیل کے کردار راکھ میں دبی ہوئی چنگاری کے مانند ہیں۔ یہ اس زوال آمادہ تہذیب اور معاشرے کی روایات کے شکنجے میں گرفتار تو ہیں مگر ہمت اور حوصلہ برقرار رکھتے ہیں۔

خدیجہ مستور نے بڑی سادگی کے ساتھ دو متضاد ذہنی کیفیتوں کی آئینہ داری کی ہے ناول کے پلاٹ میں عصری صداقت اور واقعیت نمایاں ہیں اور زندگی کی حقیقتوں کا ایک

Scanned by CamScanner

شفاف آئینہ ہے۔جس میں اس عہد کی مکمل اور واضح صورت بخوبی دیکھی کا سکتی ہے ناول نگار نے جس ماحول کی عکاسی کی ہے اس سے وہ نہ صرف اچھی طرح واقف ہیں بلکہ اس معاشرے اور ماحول میں جو زبان استعمال کی جاتی ہے اس سے بھی آشنا ہیں ۔ چنانچہ اس ناول میں بہت اچھی گھریلوں زبان کے استعمال کا یہی سبب ہے۔زبان کی بے تکلفی اور طرز ادا کی بے ساختگی نے پلاٹ میں حقیقی زندگی کی لہر دوڑادی ہے۔اس کے پلاٹ کی کامیابی کا سب سے نمایاں ثبوت یہ ہے کہ شروع سے آخر تک دلچسپی کا عنصر برقرار رہتا ہے۔انداز بیان بھی عام فہم ہے جانے پہچانے کردار ہیں۔تکنیک سیدھی سادی ہے اور ایسے واقعات کو پیش کیا گیا ہے جن سے یہ نسل کسی نہ کسی طرح ضرور رہی وابستہ رہی ہے۔

''آنگن'' کی کہانی کی رفتار بہت سست ہے اس لیے'' آنگن''میں گھر کے اندر کے واقعات کی تفصیل کی سچی تصویر پیش کی گئی ہے۔بعض حالات قاری کو تھکا دیتے ہیں پھر بھی یہ اپنے تاریخی موضوع تہذیبی سچائی ،فنی پختگی اور فکری شعور کے باعث'' آنگن''اردو کا قابل قدر ناول ہے۔خدیجہ مستور کو اسی'' آنگن'' سے شہرت حاصل ہوئی۔

□□□

Scanned by CamScanner

''آنگن'' کے بعد ''زمین''

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ خدیجہ مستور ایک ایسی فنکار ہیں جن کی تحریر میں ایک خاص مقصدیت اور پیغام ہوتا ہے۔ان کے نزدیک ادب کا سب سے بڑا مقصد سماجی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح اور عوامی زندگی کے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ان کے ناولوں میں ''آنگن'' کے بعد ایک دوسرا ناول ''زمین'' ہے اس ناول میں تقسیم ہند کے بعد جو سماجی اور سیاسی حالات پیدا ہوئے تھے اس کی عکاسی کی گئی ہے۔

''زمین'' جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ اس ناول کا پورا پلاٹ اسی زمین کے ارد گرد گھوم رہا ہے اسی زمین کو لے کر آپسی جھگڑا ہوا اور اسی کے لیے کتنوں نے اپنی بیٹیاں، بیٹے، مائیں اور بہنیں اور نہ جانے کیا کچھ گنوائے۔یہ صرف زمین کی حصہ داری کی وجہ سے ہوا۔اگر یہ زمین نہ ہوتی تو یہ سارے جھگڑے فساد نہ ہوتے۔اس ناول کا آغاز پاکستان میں مہاجرین کے کیمپ سے ہوتا ہے۔جہاں ایک بوڑھا اپنی بیٹی کے لیئے آہیں بھر رہا ہے جو ہندوستان سے آتی ہوئی اغوا کر لی گئی تھی۔کیمپ میں مہاجرین خوش تھے کہ اپنے نئے ملک پاکستان حفاظت سے پہنچ گئے ہیں۔بوڑھا جو اپنی بیٹی کے لیے چیخ رہا تھا لوگوں نے اسے پاگل قرار دے کر پاگل خانے میں ڈال دیا۔کیمپ کے مہاجرین کے لیے راحت کے کام کئے جا رہے تھے۔لوگ ہندوستان میں چھوڑی گئی ملکیت کے بارے باتیں کر رہے تھے۔ ساجدہ اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔اس کے والد رمضان نے محکمہ بحالیات کے ملازم ناظم کو بتایا کہ:

''ارے ناظم صاحب! نہ پوچھئے کہ کیا کیا چھوڑ آیا ہوں۔
پانچ کمروں کا مکان، ایک بہت بڑی کپڑے کی دکان، وہاں دو منشی

کام کرتے تھے کیا دن تھے وہ بھی۔''[1]

ملک چھوڑنے کے ساتھ وہاں کی ملکیت اور خاندانوں کا بکھر جانا سب کے لیے دکھ کی بات تھی۔ناول نگار نے جو خاکہ کھینچا ہے اس میں انہوں نے یہ دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ تقسیم ہند کے دوران لوگ مکانون سے نکل کر دور جنگلوں میں کیسے اپنی حفاظت کرتے ہیں۔سیاسی اور سماجی حالات بد سے بدتر ہو گئے ہیں۔کوئی کسی کی نہیں سنتا۔ ہر جان پریشان ہے۔لوگوں کو صرف اپنے مستقبل کی فکر دامن گیر ہے۔ساتھ ہی ماضی کی یادیں بھی دل کے زخموں کو کرید رہی ہیں۔

ناول میں کئی کردار ہیں جن کے نام اس طرح ہیں:

ا	ساجدہؔ	رمضانؔ کی بیٹی۔صلاح الدینؔ کی معشوقہ۔ناظمؔ کی بیوی
۲	صلاح الدینؔ	ساجدہؔ کا عاشق
۳	ناظمؔ	ساجدہؔ کا شوہر، کاظمؔ کا بھائی
۴	رمضانؔ	ساجدہؔ کے والد
۵	خالہ بی	سالمہؔ باجی کی والدہ
۶	سالمہؔ باجی	خالہ کی بیٹی
۷	تاجیؔ	سالمہؔ باجی کے گھر کی نوکرانی
۸	لالیؔ	زمین دار صاحب کی بیوی
۹	غلام محمد، گامؔو اور قائدؔ اعظم وغیرہ ہیں۔	

اس ناول کا مرکزی کردار ساجدہؔ ہے جسے تجو بھی کہتے ہیں۔ساجدہؔ ایک ایسی لڑکی ہے جس کے اندر ہر طرح کی خوبی ہونے کے باوجود بھی صرف زمین کی وجہ سے طرح طرح کے حالات کا سامنا کرتی ہے۔ساجدہؔ کی زندگی میں کبھی لوگ ایسے آئے جن کو زمین سے

---

[1] ''زمین'': خدیجہ مستور صفحہ ۲۶۔۲۷

Scanned by CamScanner

محبت تھی اور ایسی محبت کہ جس کے آگے تمام قدریں خاک میں ملی ہوئی پائی گئیں۔اس کے کردار کی سب سے بڑی خوبی وہ ہے کہ وہ یہ صرف اپنی حفاظت کے لیے دنیا کے ہر رنج وغم کو خوشی سے قبول کرتی ہے۔وہ سب کا سامنا بڑی ہمت اور حوصلے سے کرتی ہے۔ساجدہ بہت حساس طبع لڑکی ہے۔جس کے دل میں وطن کی محبت اور والدین کی شفقت کے ساتھ ساری انسانی صلاحتیں موجود ہیں ۔وہ سب کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتی ہے۔فسادات میں ہوئے نقصانات کا اس پر گہرا اثر پڑتا ہے کیونکہ بہت سے لوگ اپنے عزیزوں سے بچھڑ گئے اور اسی زمین کے لیے جان تک قربان کرنی پڑی۔

ساجدہ اپنی تعلیم کے متعلق برابر سوچتی رہتی ہے کیونکہ والدین نے ایم۔اے کرانے کا وعدہ کیا تھا۔ساجدہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ہی وفا کی دیوی بھی ہے۔وہ مشرقی طرز پر صلّو سے محبت بھی کرتی ہے۔صلّوا سے گاؤں کی زمین اور باغ وغیرہ کی باتیں سنا سنا کر ساجدہ کو بہلاتا ہے اور وہ گاؤں میں ہونے والے واقعات سے بھی اسے آگاہ کرتا ہے۔

> ''میں سرگودھے میں رہتا ہوں..........وہاں میری بہت سے زمین ہے۔دس مربعوں میں صرف باغ ہے.......ہم دونوں علاقے کے سب سے بڑے زمین دار ہیں۔سارے افسر ہمارے یہاں آکر ٹھہرتے ہیں۔''[1]

> ''جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ اس زمین کے مسئلے کو لے کر ہر کوئی پریشان ہے۔صرف بچے ہی پورے آزادی کا لطف لیتے ہیں اور بے فکر زندگی بسر کرتے ہیں۔بوڑھا اپنی بیٹی کو پانے کے لیئے بہت پریشان ہے اور اس کی یاد میں پاگل سا ہو گیا ہے۔مگر کوئی اس

---

[1] زمین: خدیجہ مستور صفحہ ۲۳۶

Scanned by CamScanner

کی بیٹی کا پتہ نہیں دیتا۔ بوڑھا پھر چیخنے لگا۔" [1]

ساجدہ کو ترس آتا ہے اور وہ پوچھتی ہے:

"بابا تم کس بیٹی کو پکار رہے ہو؟ وہ بیٹی نہیں تھی بابا! لوٹ کا
سب سے قیمتی مال تھی وہ تمہارے چیخنے سے واپس نہیں آئے گی۔
تمہاری آواز اس تک نہیں پہنچ سکتی۔" [2]

خدیجہ مستور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ حالات کے مطابق ماحول کی عکاسی کا تجربہ رکھتی ہیں۔ ساتھ ہی روایات کو بھی برقرار رکھتی ہیں مثال کے طور پر اس ناول میں انہوں نے ایک ایسے منظر کی عکاسی کی ہے جہاں پر گانے کی رکارڈنگ چل رہی ہے مگر جب اذان کا وقت ہوتا ہے تو تھوڑی دیر کے لیے رک بھی جاتی ہے۔ بچھڑے ہوئے لوگوں کے مل جانے سے خوشی کا ماحول ہوتا ہے اور کہیں سے گانے کی آواز آرہی ہے جیسے:

"رم جھم برسیں بدروا مست ہوائیں آئیں۔" [3]

خدیجہ مستور نے فضا آفرینی میں بھی کمال دکھایا ہے۔ نسوانی کرداروں کی نفسیات پر ان کی گہری نظر ہے، اس کو ناول میں بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر ساجدہ کو جب نیند آنے لگی تو اس۔ کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جو وہ اپنے آپ سے کرتی ہے اور اس پر بہت تعجب بھی کرتی ہے۔ مثال کے طور پر "زمین" کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"آج اس آسمان کو دیکھتے ہوئے یہ بھی نہ سوچا تھا کہ لوگ
آسمان کو چھت کیوں کہتے ہیں اور اگر چھت ہے تو پھر انسان اس کے

---

[1] زمین: خدیجہ مستور صفحہ ۸
[2] زمین: خدیجہ مستور صفحہ ۹
[3] زمین: خدیجہ مستور صفحہ ۱۳

Scanned by CamScanner

تلے خود کو اتنا غیر محفوظ کیوں سمجھتا ہے؟''[1]

ساجدہ ایک ذمہ دار لڑکی ہے جو پورے سلیقے کے ساتھ گھر بار نبھاتی ہے۔ اپنے والد کا پورا خیال رکھتی ہے۔ اس کی ماں کے انتقال کے بعد صلّو ساجدہ کو بہت تسلی دیتا ہے۔ پھر ساجدہ بھی اس سے چھپ چھپ کر محبت کرنے لگتی ہے۔ وہ اپنے والد کی غیر موجودگی میں رات میں صلّو سے ملتی ہے۔ صلّو خود اس کے گھر آتا ہے جس سے چمیلی کے پتے ٹوٹتے ہیں اور اس کو دیکھ کر اس کے والد اس کو ڈانٹتے ہیں۔

ساجدہ اپنے والد کی صحت کو لے کر بہت فکر مند رہتی ہے۔ ایک دن والد کی طبیعت اچانک بہت خراب ہو جاتی ہے اور بعد میں انتقال ہو جاتا ہے۔ اس حادثے کے بعد بہت سے ہمدر عورت، مرد اور گامو وغیرہ اس کی دل جوئی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی ساجدہ اپنے ماحول میں بڑی ہمت، صبر اور خود اعتمادی سے حالات کا مقابلہ کرتی ہے۔

اس ناول میں ایک جگہ ناظم کا خط اس کی بیوی ساجدہ کے نام ہے جو قابل تعریف ہے ناظم نے لکھا تھا:

> ''میں آج کل وہ کتابیں پڑھ رہا ہوں جو تم مجھے دے گئی تھی۔ وقت گزاری کے لیے یہ کتابیں بھی کتنی قیمتی معلوم ہوتی ہیں۔ بہتر حالات میں اگر کوئی کہتا ہے کہ انہیں پڑھ لو اور انعام لے لو تو میں شاید ہی پڑھتا۔ یہ عشق و محبت کی داستانیں جس میں عورت کی طرح طرح سے تحقیر کی جاتی ہے، پڑھنے کی چیز نہیں ہے۔ مگر کیا کیا جائے یہ بھی کلاسکس میں شامل ہیں۔ امید ہے وہ کتابیں تمہیں واپس مل گئی ہوں گی جس سے میں اپنے علم کی پیاس بجھانے کا اہل نہیں تھا یا وہ میرے پڑھنے کے لائق نہیں تھی۔

---

[1] زمین: خدیجہ مستور صفحہ ۲۰۱

فرصت کے اوقات میں ایک ننھے منے یا ننھی منی سے
جان کے تصور میں کھو جاتا ہوں جو یا تو تمہاری طرح ہو گی یا پھر
میرے جیسا ہوگا۔اپنی صحت اور میری امانت کا خیال رکھنا یہ لکھنا تو
بے کار ہے کہ میں تم کو کس قدر یاد کرتا ہوں۔سب کو سلام۔"[1]

والد کے انتقال کے بعد ساجدہ کو سلیمہ باجی کار سے اپنے گھر لاتی ہیں اور اس کی بڑی عزت کرتی ہیں مگر کچھ دنوں کے بعد ہی وہاں پر اسے تمام مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اور اپنی زندگی کے برے دن دیکھنے پر مجبور ہوتی ہے۔ساجدہ کے یہاں ایک بچہ بھی پیدا ہوا جس کا نام اس نے اسد رکھا۔ساجدہ کی ایک پڑوسن لالی جن کے شوہر زمیندار تھے وہ ساجدہ کی سہیلی ہوگئی۔روز ساجدہ سے ملنے آتی اور اپنی آپ بیتی سناتی اور ساجدہ کو ہر طرح سے ہمت دلاتی۔

اس ناول میں زمیندار کی جھوٹی شان وشوکت اور حرص وہوس کے علاوہ جہیز کی لعنت اور اس کا ردعمل بھی ظاہر کیا ہے۔زمیندار اپنی بیوی کو اس لیے مارتا ہے کہ اس کے باپ نے اسے جہیز میں بہت سی زمین نہیں دی۔اس طرح خدیجہ مستور کے اس ناول میں پاکستان میں مہاجر لڑکیوں کی بے بسی اور استحصال اور بدعنوانی کا بھی ذکر ملتا ہے یہ ناول سماجی مسائل، جاگیردارانہ ماحول اور مہاجروں کی پست زندگی کا ترجمان ہے۔

اس طرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف زمین نے انسان کو محبت سے دور کر دیا اور اپنی پہچان ختم کر دی۔لوگ زمین کے زیادہ ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور کسی کے دل میں محبت، احساسات، جذبات اور انسانیت کا شائبہ تک نہیں۔یہی حال ساجدہ کا بھی ہوا صلّو نے اپنی زمین اور تعریف کے آگے اس کے ماضی کے بارے میں نہ پوچھا۔پورا ناول حقیقت کا ایک سچا آئینہ ہے جس میں سماج کے خدوخال کا عکس صاف اور بھرپور نظر آتا ہے۔

---

[1] زمین: خدیجہ مستور   صفحہ ۱۸۲

Scanned by CamScanner

ناول کے کردار

''زمین'' میں جو کردار پیش کیے گئے ہیں ان کا مختصر جائزہ کچھ اس طرح ہے:

ساجدہ عرف سجو

خدیجہ مستو نے اس کردار کو پیش کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ایک بے سہارا عورت کس طرح حالات کا مقابلہ کرتی ہے اور سماج میں اسے کیا مقام حاصل ہے۔ ساجدہ ایک ایسی لڑکی ہے جو صرف اپنی حفاظت کے لیے دنیا کا ہر غم اٹھانے کو تیار ہے۔ بہت حساس طبع ہے۔ اس کا دل والدین کی محبت کے ساتھ حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہے اس میں اعلیٰ انسانی واخلاقی قدریں موجود ہیں۔

صلاح الدین عرف صلّو

ناول نگار نے اس کردار کے سہارے ساجدہ کے عشق کی داستان کو آگے بڑھایا ہے۔ یہ ایک ایسا لڑکا ہے جو گاؤں میں پلا اور بڑھا ہے۔ جس کے پاس بہت سی زمین ہے وہ ساجدہ سے چھپ چھپ کر محبت کرنے لگتا ہے۔ گاؤں کے حالات، باغ اور زمین کے بارے میں ساجدہ کو بتاتا ہے۔ ماں کے انتقال کے بعد صلّو نے ساجدہ کو بہت تسلی دی تھی اور ساجدہ بھی اس کی بات ماننے لگی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں کو قربت نصیب ہوئی اور عشق ہو گیا۔

محمد رمضان

خدیجہ مستور نے رمضان کے کردار کے ذریعہ والد کے حقوق اور فرائض کو پیش کیا ہے۔ محمد رمضان ساجدہ کے والد ہیں۔ ساجدہ کی والدہ کے انتقال کے بعد انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے اور تقسیم کے حالات نے ان کی صحت بھی خراب کر دی ہے۔ برابر بیماری کا شکار رہتے ہیں۔ یہ ساجدہ کی تعلیم کے لیے فکر مند رہتے ہیں۔ چونکہ یہ روایت پسند

Scanned by CamScanner

انسان ہیں اس لئے ساجدؔہ کے عشق کرنے کو پسند نہیں کرتے ۔آخری لمحے تک ساجدہ کی اعلیٰ تعلیم کے لیے فکر مند رہتے ہیں اور یہ خواب ادھورا ہی رہ جاتا ہے۔ہجرت کے بعد ایک لڑکی کے علاوہ ان کے پاس کچھ بچا نہیں تھا۔

ناظمؔ

یہ رمضانؔ صاحب کا منشی ہے جوان کے گھر پر برابر آتا تھا۔ساجدؔہ اپنے عشق کی داستان اسی کو بتاتی ہے جو بعد میں اس کے والد کو بتا دیتا ہے۔یہ کاظم کا بھائی بھی ہے جو بعد میں ساجدؔہ کا شوہر بھی بن جاتا ہے ۔تحریک آزادی میں ناظم کو جیل جانا پڑتا ہے جہاں پر اسے ساجدؔہ کی بہت یاد آتی ہے اور ہونے والے بچہ کے بارے میں سوچتا ہے۔ساجدہ کے خطوط جیل میں ملتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتا ہے۔اس کردار کو پیش کر کے خدیجہ مستور نے ان حالات کی ترجمانی کی ہے جہاں پر انسان جذباتی ہو جاتا ہے مگر انھوں نے بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ حالات پر قابو پالیا ہے اور کہانی کو تیزی سے آگے بڑھایا ہے۔

سلمؔہ باجی

اس کردار کے ذریعہ ناول نگار نے ایک ہمدردی کی فضا تیار کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے ساجدؔہ کے والد کے انتقال کے بعد سلمؔہ باجی ساجدہ کو تسلی دیتی ہیں ۔یہ اس کی خالہ زاد بہن ہیں جو اس کو اپنی کار میں بیٹھا کر اپنے گھر لاتی ہیں ،عزت کرتی ہیں اور رہنے کے لیے ایک الگ کمرے کا انتظام بھی کر دیتی ہیں ۔سلمؔہ باجی کے کردار کی خوبصورتی ان کے دل میں پنہا انسانیت کے درد کی وجہ سے ہے۔

تاجیؔ

یہ کردار ایک ایسی عورت کی دردناک کہانی ہے جو بالکل بے سہارا ہے ۔یہ ایک مظلوم عورت ہے جو ایک مہاجر کیمپ میں رہتی ہے جسے ناظم اپنے گھر لا کر نوکرانی بنالیتا ہے اور کاظم اس سے اپنی ہوس مٹاتا ہے۔یہ کہانی نہ صرف تاجی کی کہانی ہے بلکہ مظلوم اور بے

Scanned by CamScanner

کس عورتوں کی کہانی ہے۔جس کا تعلق تقسیم ہند سے ہے جن کا پاکستان کے اعلیٰ طبقے نے بری طرح استحصال کیا۔

لاآلی

لاآلی کے کردار سے ایک ایسی عورت کے کردار کا پتہ چلتا ہے جو اپنے شوہر کے ظلم و ستم سے تنگ آچکی ہے۔ساجدہ کے پڑوس میں رہتی ہے۔روز آتی جاتی ہے۔پوری دکھ بھری کہانی ساجدہ کو سناتی ہے۔یہ ایک زمین دار کی بیوی ہے۔لاآلی کے اندر ایک باغیانہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ خود پر ہونے والے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے۔یہ ''آنگن'' کے نسوانی کرداروں کی طرح خودکشی نہیں کرتی بلکہ زندگی کا شوق رکھتی ہے۔

اس طرح ''زمین'' میں خدیجہ مستور نے اپنی کردار نگاری کے عمدہ فن کا مظاہرہ کیا ہے۔کوئی بھی کردار بلا وجہ نہیں لایا گیا ہے۔کسی کو غیر ضروری نہیں کہا جا سکتا۔جیسے جیسے حالات آئے کرداروں کے سہارے انہوں نے کہانی کو آگے بڑھایا ہے۔''زمین'' کے اندر تیز رفتاری ہے اور بیان میں روانی ہے۔پلاٹ،کردار،مکالمہ،زبان و بیان کے اعتبار سے ''زمین'' ایک اچھا ناول ہے۔غرض اس کے جیتے جاگتے کردار اپنے سماج و حالات کے آئینہ دار ہیں۔

□□□

Scanned by CamScanner

مجموعی تاثر

اردو فکشن کی دنیا میں ایک معتبر اور معروف نام خدیجہ مستور کا ہے۔جن کی پیدائش لکھنؤں میں ۱۲؍دسمبر ۱۹۲۷ء کو ہوئی۔انہوں نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن شریف ختم کیا اور ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۹۳۶ء میں اسکول میں داخلہ ملا۔چونکہ انکے والد کا انتقال دوسرے ہی سال ہو گیا تھا لہٰذا ان کی مالی حالت بہت زیادہ خراب ہوگئی اور فاقے تک کی نوبت آ گئی۔لیکن انکے ماموں نے آگے بڑھ کر ان لوگوں کی مدد کی۔چونکہ وہ بھی مریض تھے انکا بھی جلد ہی نتقال ہو گیا۔اتفاق کی بات یہ ہے کہ ۱۹۳۶ء میں ہی خدیجہ مستور کی ملاقات شوکت تھانوی سے ہوگئی جنہوں نے انکی کافی حوصلہ افزائی کی اور خدیجہ مستور کو لکھنے کی طرف مائل ہونے کا مشورہ بھی دیا۔خدیجہ مستور نے اس طرح ۱۹۴۲ء سے افسانہ لکھنا شروع کر دیا۔انکے مشہور افسانوں میں ’’بھورے‘‘’’لعنتی‘‘اور ’’تین عورتیں‘‘ وغیرہ ہیں ۔ان افسانوی مجموعے جو شائع ہوئے ان میں ’’کھیل‘‘’’بوچھار‘‘’’چند روز اور‘‘’’تھکے ہارے‘‘اور ٹھنڈا میٹھا پانی‘‘ وغیرہ ہیں ۔ان کے ابتدائی افسانے ’’خیام‘ اور ’عالمگیر‘‘ جیسے رسالوں میں شائع ہوئے۔یوں بھی گھر کا ماحول ادبی تھا۔ان کے والدین کو بھی ادب سے گہری دلچسپی تھی۔ان کے لکھنے کی طرف مائل کرنے میں انکا بھی بڑا اہم رول رہا ہے۔

خدیجہ مستور کی شادی ۱۹۵۰ء میں ظہیر بابر سے ہوگئی۔اب انکی مالی حالت بہتر ہو گئی تھی۔آسانیوں کے پیش نظر انہوں نے پورے اعتماد کے ساتھ لکھنا شروع کیا۔اسی زمانے میں ایک افسانہ’’ ہند‘‘ لکھا جس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

خدیجہ مستور نے افسانے کی دنیا سے نکل کر جب ناول لکھنے کی دنیا میں قدم رکھا تو انہوں نے دو ناول بھی لکھے انکا پہلا ناول ’’آنگن‘‘ اور دوسرا ناول ’’زمین‘‘ ہے۔مگر ان

Scanned by CamScanner

کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ ان کے ناول ''آنگن'' سے ہی ہوئی۔ آنگن میں اس دور کے معاشرے کی بھرپور عکاسی ملتی ہے اور خدیجہ مستور کا فن سر چڑھ کر بولتا ہوا نظر آتا ہے۔ ''آنگن'' میں اس معاشرے کے بعض کردار اس طرح سامنے آتے ہیں کہ جیسے وہ دیکھے بھالے ہوں، اجنبیت کا احساس بالکل نہیں ہوتا۔ زندگی کے بعض مسائل سے خدیجہ مستور ہمیشہ ٹکراتی رہی ہیں وہ صورت حال انکے ناولوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ کہیں کہیں کردار میں ایسی تبدیلی آتی ہے جو اس کے ذہنی ارتقا کی کہانی بھی ہے اور حال کے جبر کا تقاضا بھی۔ عالیہ آخر کا ایک سماجی کارکن بن جاتی ہے۔ عاشق صفدر کے بارے میں اس کے خیالات بدلتے رہتے ہیں اور ایک مرحلے میں وہ عالیہ کا منظور نظر نہیں رہتا اس لئے اس کی نگاہ میں صفدر ایک کم ہمت شخص ثابت ہوتا ہے۔ عالیہ کسی بھی مرد کی محبت کا اعتبار نہیں کرتی اور ایک خاص قسم کی ذہنی کشمکش کا شکار ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جمیل کی طرف سے اس کا رویہ بھی اسی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ اس ناول میں تقسیم ہند کا واقعہ بھی سامنے آیا ہے اور اسکے حوالے سے سیاست بھی۔ اپنے ہی خاندان کے لوگ کس طرح سیاسی طور پر فعال رہے ہیں اس کی ایک تصویر اس ناول میں ملتی ہے۔ اس ناول کے بعض کردار بحر حال ذہن و دماغ کو جھنجھوڑتے ہیں۔ مثلاً عالیہ، صفدر، کسم دیوی، اسرار میاں، کریمن بوا اور شکیل وغیرہ۔

بقول پروفیسر وہاب اشرفی:

''ناول آنگن میں کسی قسم کا کوئی فلسفہ نہیں ہے۔ سارے گھریلو معاملات ہیں لیکن گھریلو معاملات اس زمانے کے ایک خاص طبقے کی تصویر کشی کرنے میں بیحد کامیاب ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک فکشن نگار کی حیثیت سے خدیجہ مستور کی ایک جگہ ہے اور یہ جگہ بیحد اہم ہے۔''[1]

---

[1] تاریخ ادب اردو (جلد سوم) پروفیسر وہاب اشرفی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی ص ۱۲۳۳

Scanned by CamScanner

خدیجہ مستور اپنی زندگی کے اخیر دنوں میں کافی علیل رہتی تھیں۔ آخر کار ۲۶ر جولائی ۱۹۸۲ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے بعد ان کا ناول ''زمین'' شائع ہوا۔ جو ''آنگن'' کی ہی ایک توسیع ہے۔

خدیجہ مستور نے 'آنگن' ۱۹۶۲ء میں تخلیق کیا اس وقت جنرل ایوب خان کی فوجی حکومت برسر اقتدار تھی اور حکومت میں مسلم لیگ کا نام ونشان بھی باقی نہ رہ گیا تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان میں مسلم لیگ کا بول بالا وقتی، ہنگامی اور بے اثر تھا۔ جنرل ایوب خاں کے بعد بھی سیاسی پارٹی سر نہ اٹھا سکی۔ دوسری جماعتوں کے مقابلے میں اس کی قدر و قیمت کم ہوتی گئی۔ دوسرے لفظوں میں اس کے نظریات اور مقاصد کو وہاں کے لوگوں نے ناپسند فرمایا۔ اگر اس کا زور ویسا ہی رہتا جیسا کہ شروع میں تھا تو سمجھا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد مستحکم اصولوں پر تھی۔

قیام پاکستان کے کچھ دنوں کے بعد ہی علاقائی اور صوبہ جاتی اکثریت نے مذہبیت کو پس پشت ڈال دیا اور خطہ جاتی وفاداری ان کے سامنے آ گئی اور اس کی لے اتنی بڑھی کہ پاکستان کا مشرقی بازو اس کے خاص جسم سے الگ ہو گیا۔ ایسی حالت میں یہ ناول 'آنگن' تحریر کیا گیا کہ جب پاکستان کے اصل بنانے والے موجود نہ تھے۔ اس ناول کی بنیاد بھی تقسیم ہند کے مابعد اثرات پر مبنی ہے۔ ایک متوسط گھرانے کا حال ہے جس کا ایک فرد قتل کر دیا گیا اور دوسرے فرد نے ہجرت کیا۔ ہجرت کے بعد اپنے ہتھکنڈوں سے ایک ہندو مہاجر کا گھر اپنے نام الاٹ کرالیا ان میں سے بعض اچھی اور بری حرکتوں میں مشغول ہو گئے۔

بقول ڈاکٹر رفیق حسین:

> ''ایسا تو ضرور ہوا کہ بہت گھرانے آدھے اِدھر اور آدھے اُدھر ہو گئے اور ان کی زندگی میں بڑا نشیب وفراز آیا۔ اس لحاظ سے اسے کامیاب قصہ کہا جا سکتا ہے۔ مگر جس جذبے کے تحت

Scanned by CamScanner

اس کی تخلیق ہوئی وہ بہت قابل ستائش نہیں ہے۔ انعام مل جانا اور
بات ہے۔ ہندوستان کے بڑے ناول نگار رنذیر احمد، سرشار اور
پریم چند سے اس کا مقابلہ ایسا ہی ہے جیسا ذرے کی چمک آفتاب
کے مقابلے میں۔ پاکستان کے زیادہ تر ادیبوں میں ہندوستان
دشمنی کا بخار سرایت کر گیا تھا اور وہ اپنی شفائے کلی کا یہی طریقہ
جانتے تھے کہ وہ ہندوستان کے خلاف کچھ تحریر کریں تو پاکستانی
عوام انہیں پسندیدہ نظروں سے دیکھے گی۔ بعض نقادوں کو اس میں
شعوری چشمے کا لطف ملتا ہے وہ اس آرٹ کی خوبی سے واقف
نہیں ہیں، شعوری چشمے میں ضبط و نظم ویسا ہوتا ہی نہیں جیسے کہ ایک
گھٹے ہوئے پلاٹ میں مکانی خوبی تو اس میں کسی قدر پائی بھی جاتی
ہے گر زمانی حسن ادھورا رہ جاتا ہے۔ اس میں ماضی کی طرف
تھوڑی بہت توجہ کی گئی ہے، حال پر تفصیلی نظر ڈالی ہے مگر مستقبل کو
بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے۔" [1]

خدیجہ مستور ایک اچھے گھرانے کی فرد ہونے کی حیثیت سے اور تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے زبان و بیان پر قدرت رکھتی ہیں۔ عبارت رواں دواں لکھتی چلی جاتی ہیں جسے پڑھ کر قاری خوش ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اسکی معنویت پر غور وخوص کرتا ہے تو اونچا درجہ اسے عطا نہیں کرتا۔

خدیجہ مستور کا ناول 'آنگن' کثیر الجہات ہونے کے سبب خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا کینوس محدود ہونے کے باوجود ۱۹۰۶ء سے لے کر تقسیم ہند تک کے ہندوستان کی سیاسی صورتوں کے زیر و بم اور پھر اس کے نتیجے میں سماج کے بدلتے ہوئے اقتصادی اور

---

[1] اردو ناول کی نشو و نما آزادی ہند کے تناظر میں: ڈاکٹر رفیق حسین ص ۱۷۸-۱۷۹

Scanned by CamScanner

تہذیبی حالات،نفسیاتی کیفیات اور سیاسی مدوجزر پر بخوبی روشنی ڈالتا ہے۔آنگن بہت سے سماج کی ترجمانی نہیں کرتا۔اس میں صرف زوال پذیر جاگیردارانہ تہذیب کے ایک متوسط گھرانے کے افراد کی مجموعی زندگی کا احاطہ اس خوبی سے کیا گیا ہے جس سے آزادی سے قبل ہندوستان کی سیاسی ساجی زندگی اور ملک کی تقسیم پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔اور یہی ناول کا موضوع ہے۔جس میں کہانی کی روانی کے ساتھ ساتھ مختلف دھارے بہتے ہیں اور' آنگن' اس طرح شمالی ہندوستان کی ایک مخصوص تہذیب کے عروج و زوال، کرداروں کی ذہنی کیفیات،ان کی داخلی اور خارجی زندگی کی جدوجہد،انگریزی تعلیم وتہذیب سے اتفاق اور اختلاف کرنے والے افراد،نوجوان نسل میں بے روزگاری کی وجہ سے جڑ پکڑتی ہوی اقتصادی محرومیاں اور نوجوان لڑکیوں کی شوخیوں اور سنجیدگیوں کی علامت بنتا ہے۔

'آنگن' کے کردار ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں جہاں خیالات میں ٹکراؤ ہوتے ہوئے بھی سب کی زندگی ایک ہی آنگن میں گزرتی ہے۔لیکن وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ آنگن دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور زوال پذیر جاگیردارانہ تہذیب ختم ہو جاتی ہے اور نئی پیڑھی کے ساتھ نئی تہذیب جنم لتی ہے۔سیاسی گروہ تقسیم ہوتے ہیں۔کانگریسی ہندوستان میں رہتے ہیں اور مسلم لیگی پاکستان چلے جاتے ہیں۔مگر' آنگن' کے مسلم لیگ کے حامی اور پاکستان کے خواہشمند کردار جو دن رات مسلم لیگ زندہ باد، قاعداعظم زندہ باد، بن کے رہے گا پاکستان، چٹیا راج نہیں ہوگا۔کے نعرے لگاتے تھے وہ تقسیم کے بعد پاکستان نہیں جاتے اور ''ہندوستان ہمارا ہے'' کا نعرہ لگانے والا کانگریسی اپنے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات اور تعصب کا شکار ہو جاتا ہے۔یہ تمام باتیں ایک لمحہ فکریہ بن جاتی ہیں۔

ایک طرح سے دیکھا جائے تو آنگن میں جو بھی کردار ہیں وہ علامتی ہیں۔جو کسی نہ کسی تہذیب، سیاسی پارٹی، ہندوستانی رسم ورواج،انگریزی تعلیم، جاگیرداروں کی عیاشی گمراہ اور بے روزگار نوجوان نسل کی نمائندگی کرتے ہیں۔اور اگر ان کرداروں کا الگ الگ

Scanned by CamScanner

جائزہ لیا جائے تو ان کا تعلق صرف اپنی ذات تک محدود نہ ہوگا یہ اس کا سلسلہ اس کردار کے ہم خیال گروہ یا جماعت سے جاملتا ہے۔اس طرح پورا ہندوستان اپنے سماج، رسم و رواج، سیاسی جدوجہد، ہندو مسلمان اتحاد، فرقہ وارانہ فسادات اور انگریزوں کی سازشوں کے ساتھ اس ناول میں نظر آتا ہے۔اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے چچا کے گھر کا یہ آنگن نہیں پورا ہندوستان ہے جو اپنی باہمی کشمکشوں کے ساتھ موجود ہے۔

چھمی اور جمیل جیسے کردار مسلم لیگ سے متاثر ہیں۔مسلم لیگیوں کے مطالبے اور پاکستان سے وابستہ حالات پر وہ جو تبصرہ کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے جملوں اور فقروں کے ذریعہ نظام ہند اور سیاسی تحریکوں پر جو طنز کرتے ہیں ان سے انسانی نفسیات کی بخوبی ترجمانی ہوتی ہے۔

> ''مطالبہ پاکستان ایک ایسی حقیقت ہے جیسے ہم اور آپ سمجھ بیٹھے ہیں۔کانگریسی لاکھ روڑے اٹکائیں مگر کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کے ہندو جو ہمارے پاکستان میں ہوں گے ہم ان سے کب کہیں گے کہ اپنے ملک جاؤ۔''[1]

اس طرح کریمن بوا جاگیردارانہ تہذیب کے رعب و دبدبے اور قدیم رسم و رواج کی علامت ہیں۔ جو دو افراد کی گفتگو کے درمیان تمکنت اور مایوسی کے ساتھ ماضی سے مستقبل کے فاصلے اور ان فاصلوں سے متاثر ہوتی زندگی کے حالات، جدید تہذیب اور بدلتے ہوئے رسم و رواج پر اس طرح تبصرے کرتی ہیں کہ ایک پیڑھی سے قبل کے سماج کی خاندانی زندگی اپنی تابنا کی کے ساتھ ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔اور گزرا ہوا زمانہ کریمن بوا کا سایہ بنا رہتا ہے۔اور اسرار میاں کو بڑے سرکار کی داشتہ کا ناجائز بیٹا کہتی ہیں اور اسی لئے اسرار میاں کی ہتک کرتی ہیں کہ انھیں معلوم ہے کہ سماج میں ایسے رشتوں کی اہمیت کچھ نہیں

---

[1] آنگن: خدیجہ مستور ص ۲۱۳

ہوتی۔ دوسری طرف اسرار میاں کا بے بسی یہ کہنا کہ ''کریمن بوا اگر سب چائے پی چکے ہوں تو.......'' جاگیردارانہ نظام کے جبر کی علامت بنتا ہے جس کی نوجوان تصویر صفدر ہے۔

اسی طرح جمیل، عالیہ اور شکیل نوجوانوں کے نامعلوم مستقبل، ناسازگار حالات اور اپنی ہم عصر نسل کی بے راہ روی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تہمینہ اور کسم کی موت سماجی رسم و رواج کی سختیوں کے سبب ہوتی ہے، انیسویں صدی کی چوتھی دہائی تک ہندوستانی سماج پرانی روایات کا اسیر تھا۔ یہ حادثہ ناول کے ابتدائیہ میں واقع ہوتا ہے۔ لیکن ناول کی رفتار کے ساتھ ساتھ سماجی قید و بند کی طنابیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں اور کسم کے اسی سماج میں جدید تعلیم اپنی نیرنگیوں کے ساتھ داخل ہو جاتی ہے۔ جس کی علامت نجمہ پھوپھی اور عالیہ کی ماں ہیں۔

''اگر ایم.اے. بھی کرو تو انگلش میں..... اردو میں
ایم.اے. تو ہر جاہل کرسکتا ہے۔'' [1]

بڑے چچا کا اپنے گھر کے دو افراد جمیل اور چھمی سے نظریاتی اختلاف کانگریس اور مسلم لیگ کے سیاسی اختلافات پر واضح روشنی ڈالتا ہے۔ اور تقسیم ہند کے بعد عالیہ اور اس کی ماں کے پاکستان جانے پر ان کی بے چینی انہیں ناول کا مرکزی کردار بنا دیتی ہے۔

''کس لئے جاؤ گے پاکستان'' [2]

''یہ کیا ہو رہا ہے، یہ کیا ہو گیا۔ یہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کے جانی دشمن کیسے ہو گئے، یہ انھیں کس نے سکھایا؟ ان کے دل سے کس نے محبت چھین لی۔'' [3]

''آنگن'' پاکستان میں اقامت پذیر مہاجروں کے مسائل سے زیادہ ہندوستان

---

1. آنگن: خدیجہ مستور ص ۲۱۳
1. آنگن: خدیجہ مستور ص ۴۲۷
3. آنگن: خدیجہ مستور ص ۴۲۳

Scanned by CamScanner

کے مسلمانوں اور ان کے ساتھ اپنے ہی ملک میں برتی جانے والی بدسلوکیوں کا زیادہ انعکاس کرتا ہے اور ہندوستان میں مسلمانوں کے آئندہ مستقبل کے نئے مسائل کی طرف ذہن کو متوجہ کرتا ہے۔ اس خیال کی وضاحت بڑی چچی کے خط سے بھی ہوتی ہے۔

تقسیم ہند کے بعد مسلم لیگی رہنما کے کراچی دارا حکومت جا چکنے اور پنجاب میں خون کی ہولی کھیلے جانے کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں حالات قابو میں آ جاتے ہیں۔ ایک نئی تہذیب دونوں قوموں میں جنم لیتی ہے اور یہیں سے تہذیبیں بھی تقسیم ہو جاتی ہیں۔

ناول کی سب سے اہم خوبی اس کی کردار نگاری سادگی، سنجیدگی اور اعتدال ہے۔ عالیہ کا کردار بذات خود ایک بےعمل کردار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالیہ بے حد حساس اور اپنے طبقے کی نبض پر اچھی طرح نظر رکھتی ہے۔ اور اس کی اخلاقی قدروں کا بھی پاس رکھتی ہے مگر کبھی کبھی اس طبقے میں جو حالات کے دباؤ سے اقدام کی کوشش ختم ہو جاتی ہے اس کا بھی ایک پرتو اس کی کارکردگی میں نظر آتا ہے۔ جو بےعملی کی منزلوں تک جا پہنچتا ہے۔ لیکن یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جس ماحول سے عالیہ آئی ہے اس میں عورتوں کا کردار بنتا بھی کیا تھا۔ شاید وہاں اقدام ایک بے جا جسارت اور جاگیردارانہ نظام کی بنائی ہوئی اخلاقیات پر ایک ضرب بھی تھا۔ عالیہ نے اپنی ماں کی مخالفت میں پاکستان میں جاکر صفدر کے سلسلے میں جو جسارت دکھائی اس سے عالیہ اپنے گردوپیش کی صحیح عکاس اور نمائندہ بن جاتی ہے۔ اس کو اس نظر سے بھی دیکھنا چاہئے اور جہد و عمل کی، ایسے ماحول سے آئے ہوئے کردار سے زیادہ توقع بھی نہیں کرنی چاہئے اس کا تقریباً بالکل مخالف رخ چھمی ہے جس میں عمل کی جہد بھی ہے اور حالات سے لڑکر اپنا راستہ پیدا کرنے کی ہمت بھی۔ یہ ہمت اس تہذیبی نظام میں ہوتی ہے جس میں یہ پورا خاندان پرورش پا رہا تھا۔ اس لئے چھمی ایک جاندار اور زندہ رہ جانے والا کردار ہے۔ اگرچہ ناول نگار نے ابتدا میں اس کردار کی تراش و خراش ایسی کی تھی جس سے وہ ایک نامطبوع شکل میں ابھرتی ہے مگر بعد میں جیسے جیسے اس کا ارتقاء ہوتا ہے ناول نگار کی ہمدردیاں اگر اس

Scanned by CamScanner

کے ساتھ نہ ہوتیں تو کم از کم اس کا ایجاب ضرور چھمی کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

خدیجہ مستور نے اس ناول میں الفاظ اور زبان اور سماجی پس منظر کے ساتھ استعمال کئے ہیں۔ الفاظ خود اپنی داستان سناتے ہیں۔ خصوصاً وہ طنزیہ جملے جو نجمہ پھوپھی، عالیہ کی ماں اور کہیں کہیں چھمی اور جمیل کی زبان سے ادا ہوئے ہیں، ان سے یہ ناول قاری کو بدلتی ہوئی تاریخ و تہذیب، تقسیم کی افراتفری، خاندانوں کا بکھراؤ اور ان کی نفسیات کی بڑی اچھی تصویر پیش کر دیتا ہے جس سے ناول کا مجموعی تاثر عہد آفریں تک بن جاتا ہے۔

بقول ڈاکٹر ممتاز احمد خاں:

> ''آنگن پاکستان کے لکھے ہوئے ناولوں میں اہم شمار ہوتا ہے۔ اس پر بات کرتے ہوئے ٹالسٹائے کا مشہور ناول 'وار اینڈ پیس' (War and Peace) ذہن میں در آتا ہے کیونکہ دونوں ناولوں میں افراد کی زندگیوں کے بحرانی لمحات کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ 'وار اینڈ پیس' کے کردار جنگ اور دیگر خارجی حالات محض تماشائی نہیں بلکہ ان کے اثرات ان کی داخلی زندگی میں محسوس کئے جا رہے ہیں۔ یہ اثرات اتنے واضح ہیں کہ محبت، نفرت و خلوص کے جذبات پر ان کے سائے پھیلے ہوئے ہیں۔ یقیناً یہی کیفیت 'آنگن' میں بھی ملتی ہے۔ یہاں بھی آزادی سے قبل کے بحرانی لمحات کے اکثر افراد محسوس کر رہے ہیں، ان کا عمل اور سوچ بھی خارجی حالات کے تابع نظر آتی ہے۔ دونوں ناول اس بنیاد پر یکساں ہیں کہ دونوں میں افراد کی نفسیاتی تخیل کا منبع و خارجی بحران ہے جس کے زد میں وہ اول تا آخر گرفتار رہتے ہیں۔''[1]

---

[1] اردو ناول کے بدلتے تناظر میں تنقید: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں، کراچی، پاکستان ص ۱۵۱

Scanned by CamScanner

آنگن پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مظفر حنفی کہتے ہیں:

''غالب کے گنجینۂ معنی کی طرح اس ناول میں بھی کئی جہان آباد ہیں۔ ہر چند کہ زمانی اعتبار سے ناول کا کینوس تقسیم ہند کے پندرہ بیس سال پہلے اور چار پانچ سال بعدت کا اضافہ کرتا ہے لیکن اس کم وبیش ربع صدی کی داستان میں بھی تین چار نسلوں کی ٹھاٹھیں مارتی وسیع زندگی کوزے میں دریا کی طرح سمٹ آئی ہے۔ زوال آمادہ جاگیردارانہ نظام، جدوجہد آزادی کے پرتاثیر مرقعے، ہندو مسلم اتحاد فرقہ وارانہ فسادات، داستان حسن وعشق مختلف طبقات کی آویزش، اگلی پچھلی نسلوں کے درمیان جنم لیتی خلیجیں، انسانی فطرت کے روشن اور تاریک پہلو، الغرض اس ربع صدی کی جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ایسی سچی تصویر اس ناول میں ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اس کی مثال کسی دوسرے ناول سے نہیں دی جاسکتی۔ میرے خیال کے مطابق جدیدیت کے اثرات فکشن خصوصاً افسانے پر منفی انداز میں رونما ہوئے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسی دوران اردو میں کئی بڑے ناول بھی وجود میں آئے ہیں۔ تیزی کے ساتھ بدلتی زندگی کے خارج اور باطن کی ایسی زندہ تصویر پیش کرنا خدیجہ مستور کا وہ کارنامہ ہے جسے تاریخ ادب ہمیشہ یاد رکھے گی۔ بلا شبہ آنگن اردو کے پانچ سات بڑے ناولوں میں سے ایک ہے۔''[1]

خدیجہ مستور کے یہاں فنی مہارت اور فنی احتیاط، ویژن کی گہرائی۔ تخلیقی خلوص

---

[1] جائزے (تبصرہ وتعارف) مرتب ڈاکٹر مظفر حنفی جلد ۲۵ ضمیمہ شمارہ نمبر ۷ جولائی ۱۹۸۵ء ص ۱۹۸۔۱۹۹

Scanned by CamScanner

اس ناول کو نہ صرف کامیاب بناتے ہیں بلکہ اہم ادبی دستاویز بھی بنا دیتے ہیں۔ روزمرہ کے معمولی واقعات اور احساسات کو فن کی بلندیوں تک لے جانا اور ان میں انسانی دکھ درد کی منہ بولتی تصویریں پیش کرنا خدیجہ مستور کے فن کا کمال ہے۔

دیویندر اسر کا خیال ہے کہ:

''یہی فنی شعور خدیجہ مستور کے ناول آنگن میں موجود ہے۔ خدیجہ مستور نے حیات کو ایک مکمل اکائی کے روپ میں دیکھا ہے اور پھر اس کے مختلف حصوں پر نظر ڈالی ہے اور غیر ضروری جزئیات کو چھوڑ کر ان مختلف حصوں کو ایک فنی اکائی میں منظم کر دیا ہے۔ یہی سبب ہے کے آنگن افسانوں کا مجموعہ نہیں ناول ہے۔ آنگن انسان کے نازک ترین رشتوں کو تہذیبی اور سماجی پس منظر میں متحرک طور پر پیش کرنے میں کامیاب ثابت ہوا ہے۔ ناول کے مرکزی کردار عالیہ اور چھمی عام کرداروں کی طرح سپاٹ نہیں اور وہ پورے ناول پر حاوی ہیں۔''[1]

خدیجہ مستور کا ناول آنگن کو بیشتر نقادوں نے دل کھول کر تعریف کی ہے۔ ڈاکٹر احسن فاروقی کے نزدیک اس ناول کا مقام 'امراؤ جان ادا' سے بھی بلند ہے۔ انھوں نے اس کی تمام فنی خوبیوں کا بخوبی جائزہ لینے کے بعد اس طرح آنگن کے متعلق رائے قائم کرنے کی کوشش کی ہے، جو حقیقت پر مبنی ہے۔

خدیجہ مستور کا ''آنگن'' اسلوب اور فن کے نقطۂ نگاہ سے کامیاب ہے اس میں ان کی شخصیت کا پورا دخل ہے۔ ان کے یہاں گفتگو کا انداز سلجھا ہوا ہے اور ان کی باتوں کا تعلق

---

[1] آج کل: ادب کے پچاس سال مرتب محبوب الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر ابرار رحمانی
مضمون: اردو ناول از دیویندر اسر ص ۱۷۳، پبلیکیشنز ڈویژن نئی دہلی

Scanned by CamScanner

زندگی کی گہرائیوں اور سچائیوں سے ہوتا ہے۔تحریر کا حسن اس میں ہے کہ بڑے فلسفے کو آسان اور دلچسپ بنا کر پیش کر دیا جائے۔اس کے لئے مصنف کو علم اور ادبی خلوص دونوں کی برابر ضرورت ہوتی ہے۔

آنگن میں زندگی کے کئی اور مسائل پیش کئے گئے ہیں۔اشتراکیت جو ہماری نئی نسل میں تیزی سے پھیل رہی ہے اس سلسلہ میں کئی خوبصورت اشارے ملتے ہیں۔صفدر جب گھر سے بھاگتا ہے تو کلکتہ میں اشتراکیوں کی تحریک میں شامل ہو جاتا ہے۔یعنی اشتراکی تہذیب کا ہمارے یہاں پس منظر یہ ہے کہ وہ افراد جو زندگی سے فرار حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ جذباتی اور معاشی طور پر تباہ ہوتے ہیں ان پر اشتراکیت کی تہذیب جلد اثر انداز ہوتی ہے۔صفدر کا کردار اس کی اچھی مثال ہے۔

آنگن میں چھوٹے چھوٹے واقعات ایک نہایت محدود عالم کا نقشہ ہمارے سامنے لاتے ہیں مگر یہ بھی چھوٹے واقعات اور حد سے زیادہ معمولی زندگی اس قدر دلچسپ ہوتی ہے کہ ہمیں بے اختیار ہو کر خدیجہ مستور کی قصہ گوئی کی تعریف کرنی پڑتی ہے۔آنگن کی دنیا مخصوص طور پر عورتوں کی دنیا ہے۔جمیل ناکارہ ہونے کی وجہ سے زیادہ تر گھر میں ہی پڑا رہتا ہے ان کے خراب تاثرات ہمارے سامنے آتے ہیں۔اور ان کا کردار واقعیت نگاری کی مثال ہو جاتا ہے۔ان کے خیالات بہت ہی عامیانہ ہیں۔عورتوں کے کردار بڑی حد تک گہرا تاثر چھوڑتے ہیں۔بڑی چچی اور عالیہ کی امی اس کی اچھی مثال ہیں۔ان سے اکثر و بیشتر اپنے شوہر سے جھگڑا ہی رہتا ہے۔سب زیادہ ابھرنے والا کردار عالیہ، چھمی اور نجمہ پھوپھی کے ہیں۔چھمی کا غیر معمولی بھولا پن، اس کی حد سے زیادہ بے باکی، بدتمیزی اور ضدی پن کی وجہ سے دلچسپ ہے۔ہمارے اوسط درجے کے گھرانوں میں جاہل اور اجڈ قسم کی لڑکی کی وہ مثال ہے۔جو مثال بھی ہے اور ایک فرد بھی۔ایسا کردار ہمیں پوری ناول نگاری میں نہیں ملتا۔''آنگن'' کے کرداروں میں اگر ''چھمی'' کے کردار کو بہترین کردار کہا

Scanned by CamScanner

جائے تو غلط نہیں ہوگا۔

عالیؔہ ناول کا مرکزی کردار ہے۔ ناول کا پورا قصہ عالیؔہ کے نقط نظر سے بیان ہوا ہے۔ خدیجہ مستور عالیؔہ ہی کی تخلیق کی داد خواہ نظر آتی ہیں۔ خدیجہ مستور فن کو برتنے میں ہی نہیں بلکہ اس کا چھپانے میں بھی کامیاب ہیں۔ ناول کے پہلے حصے میں عالیؔہ ایک مبصر کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔ وہ بچی بھی ہے اور تمام حالات کو انتہائی تعجب کے ساتھ دیکھ رہی ہے۔ اس کا ذہن تمام واقعات سے متاثر ہوکر ایک خاص بلوغ کی طرف ارتقاء کر رہا ہے۔ بڑے چچا کے گھر میں آکر وہ ایک عجیب وغریب کشمکش میں مبتلا ہو جاتی ہے لیکن چچا کی توجہ اور شفقت اس پر کسی حد تک اثر انداز ہوتی ہے اور اس کی علم سے دلچسپی اس میں اتنی قوت پیدا کر دیتی ہے کہ وہ جمیلؔ سے بالکل متاثر نہیں ہوتی اور نجمہؔ پھوپھی کے طعنوں کو سمجھے جس وقت اس کے سامنے یہ مسئلہ آتا ہے وہ پاکستان چلی جائے وہ عجیب کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ لیکن ماں کا ساتھ دینا اس پر فرض ہوتا ہے۔ اس لئے وہ لاہور جاتی ہے اور یہاں ایک اسکول میں معلمہ ہو جاتی ہے۔ ایک ڈاکٹر اس سے متاثر ہوتا ہے، وہ شادی کا خواہشمند ہے لیکن وہ اس معمولی خواہشات سے بالاتر نظر آتی ہے جس کی طرف آج کل کی لڑکیاں دوڑتی ہیں۔ اس کا نام عالیؔہ ہے اس کے کردار سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس میں ایک بڑی دلکش شخصیت کا پہلو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اسے ناول کی ہیروئن ہی نہیں ایک کامیاب ہیروئن کہہ سکتے ہیں۔

پروفیسر احتشام حسین نے اس ناول کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جن کی جستجو ایک ذہین قاری یا نقاد کسی ناول میں کر سکتا ہے۔ کہانی کا ارتقاء بالکل فطری اور منطقی انداز میں ہوا ہے اور اپنی ساری وسعتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہوا ہے۔ یعنی ناول کے ابواب مختصر افسانوں سے نہیں ارتقاء

Scanned by CamScanner

کی مختلف کڑیوں اور منزلوں سے مرتب ہو کر منزل کی طرف بڑھتے
ہیں۔ اسی میں ناول نگاری کی تعمیری صلاحیت اور فنی قدر کا پتہ چلتا
ہے۔ خدیجہ مستور نے بڑی خوبصورتی سے اس پیچیدہ عمل کو فطری اور
سبک بنا دیا ہے۔ ناول کے ہر کردار نے اپنا پارٹ اس خوبی اور
خوبصورتی سے ادا کیا ہے کہ نہ تو کہیں داستان میں جھول پڑتا ہے نہ
پس منظر غیر فطری ہوتا ہے اور نہ مقصد فن کو یا قصہ کی دلکشی کو مجروح
کرتا ہے۔ حسن ادا اور لطف بیان کے علاوہ یہی وہ باتیں ہیں جن کی
تمنا ایک ناول پڑھتے وقت کی جا سکتی ہے۔ خدیجہ مستور کا بیان
دلآویز اور اسلوب فنکارانہ ہے۔ اسی وجہ سے اس ناول میں تقریباً
تمام فنی خوبیاں نظر آتی ہیں۔'' [1]

''آنگن'' کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بے پناہ سادگی کا انداز لئے ہوئے ہے۔ ناول نگار کو جس فنی شعور کی ضرورت ہوتی ہے وہ خدیجہ مستور کے یہاں بخوبی موجود ہے۔ وہ سیدھی سادی باتوں اور روزمرہ کے واقعات سے اپنے ناول کا تانا بانا تیار کرتی ہیں۔ کامیاب ناول ہماری زندگی کے بہت قریب آ جاتے ہیں۔ ہمارے بنیادی مسائل کا ہمیں احساس دلاتے ہیں اور ہمیں یہ محسوس ہونے نہیں دیتے کہ ہم کسی اجنبی دیار میں سفر کر رہے ہیں۔

خدیجہ مستور بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں۔ ''آنگن'' ان کا پہلا ناول ہے۔ اصولی طور پر اس ناول میں افسانوی رنگ زیادہ ہونا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہے۔ انھوں نے ترقی پسندوں کی تقلید سے بھی گریز کیا ہے اور اگر ایسا نہ کرتیں تو صفدر ناول کا ہیرو بن کر سارے ناول پر چھا جاتا۔ اس کی شادی بھی عالیہ سے ہو جاتی۔ خدیجہ مستور کو اس بات کا شعور ہے

---

1. آنگن (دیباچہ) پروفیسر احتشام حسین

Scanned by CamScanner

کہ ایک شریف خاندان کی کیا کیا روایات ہوسکتی ہیں اور کیا کیا بھرم رکھنے والی بات ہوسکتی ہے۔ انھوں نے پڑھنے والوں کے ذہن کو بھی کہیں کہیں پرکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ''آنگن'' ان لوگوں کے لئے ایک سبق بھی ہے جو محض حسن کاری ہی کو ناول نگاری سمجھتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے بھی جن کے ناولوں میں مثلث ہوتے ہیں ایک ہیرو، ایک ہیروئن اور ایک ولن اور جو لوگ فرسودہ کہانیوں سے اپنے ناول کا تانا بانا تیار کرتے ہیں۔

خدیجہ مستور کا ناول ''آنگن'' ۱۹۶۲ء میں لکھا گیا جس کی کہانی گھر کے آنگن سے شروع ہو کر ہندوستانی سماج اور سیاست کے دائرے میں پہنچ جاتی ہے ناول نگار نے خاندان کی معاشرتی زندگی اور اس کے بنیادی مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اس میں خدیجہ مستور نے ایک خاندان کے بکھرنے کی داستان کو بہت خوبصورت انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا زمانہ تحریک آزادی اور تقسیم ہند کے بعد تک ہے۔ اس کے ساتھ ہی خدیجہ مستور نے اس ناول میں جاگیردارانہ نظام کے ازدواجی حالات کو بھی تفصیلی طور پر پیش کیا ہے۔ گھر کے معمولی حالات اور چھوٹے چھوٹے واقعات کے ذریعہ ملکی وقومی مسائل تک پہنچ گئی ہیں۔ گھر کے باہر سے گھر تک اور اس کے اردگرد ہر طرف سیاست کا بازار گرم ہے۔ ''آنگن'' میں آزادی سے قبل متوسط گھرانے کی کہانی کو یہاں پیش کیا گیا ہے جو کسی مخصوص گھر کی کہانی ہی نہیں ملک کے پیشتر گھروں کی کہانی ہے۔

''آنگن'' میں دو طرح کے نظریات ابھر کر سامنے آتے ہیں ایک آزادی اور دوسرا تقسیم ہے۔ جہاں تک پہلے نظریے آزادی کا تعلق ہے یہ بڑے چچا کا ہے جن کے مطابق ملک آزاد ہو مگر ملک کی تقسیم نہیں ہونی چاہئے۔ اس کے برخلاف دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ملک کی تقسیم تو یقینی ہے لیکن یہاں ہجرت کا مسئلہ درپیش نہیں ہوگا۔ جو جہاں ہے وہیں رہے گا۔ خدیجہ مستور امیری، غریبی اور طبقاتی نظام پر قائم سماج، فرد کی کمتری، برتری اور فرقہ واریت پر مبنی تہذیب کو مسترد کر دینا چاہتی ہیں۔

Scanned by CamScanner

ناول کا تہذیبی و سیاسی پس منظر اور کردار واقعات کی مدد سے انھوں نے کو جو تصویر کھینچی ہے وہ مکمل ہے۔ اس کی تصویر کشی میں سابقہ تجربات و مشاہدات سے خاصا فائدہ اٹھایا ہے۔ ماحول اور معاشرے کی زبان روزمرہ کا استعمال تخلیقی سطح پر کیا ہے۔ چنانچہ زبان کی بے تکلفی اور طرز ادا کی اسی بے ساختگی نے پلاٹ کے تاثر اور کیفیت کو چار چاند لگا دیا ہے۔ ''آنگن'' کے پلاٹ کو منظم اور مربوط رکھنے میں اس کے کرداروں نے بھی خاصی مدد کی ہے۔ ان میں کوئی کردار غیر ضروری نہیں ہے۔ تھوڑا بہت احساس شکیل جیسے کردار پر ہوتا ہے۔ مگر بقیہ جتنے بھی کردار ہیں واقعات اور حالات کی سچی اور منھ بولتی تصویر ہیں۔ مرد کرداروں کی بہ نسبت نسوانی کردار زیادہ حقیقت پسند اور شائستہ ہیں۔

مختلف مواقع سے چنے ہوئے اقتباسات سے مصنفہ کی زبان پر گرفت، اظہار پر قابو اور ان کے گہرے مشاہدات کا پتہ چلتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ مکالموں سے ناول کی فضا بندی اور واقعہ گوئی سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ کردار اور پلاٹ کے باہمی روابط سے ضرورت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ناول نگار نے ناول کے فنی تقاضاں کو ملحوظ رکھا ہے۔ اپنی تخلیقی قوت، گہری معنویت، فنی اور فکری بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ غرض کہ یہ ناول اپنے آپ میں خدیجہ مستور کا ایک منفرد اور بے مثل کارنامہ ہے۔ بقول پروفیسر احتشام حسین:

> ''اس ناول کی کہانی گھر کے آنگن سے شروع ہو کر اس دائرے میں داخل ہو جاتی ہے جو سماج اور سیاست کا دائرہ ہے۔ ابتدا میں یہ دائرہ کہیں کہیں کرداروں کو چھوتا ہے لیکن جیسے جیسے وقت کی آواز اونچی ہو جاتی ہے اس لیے یہ نقطے جلدی جلدی آتے ہیں اور کرداروں کی نجی زندگی میں دور دور تک رنگ آمیزی کرتے چلے جاتے ہیں۔ ناول کے ہر کردار نے اپنا پلاٹ اس خوبی اور خوبصورتی سے ادا کیا ہے کہ نہ تو داستان میں کہیں جھول پڑتا ہے اور نہ پس

منظر غیر فطری ہوتا ہے اور نہ مقصد فن کا یا قصے کی دلچسپی کو مجروح کرتا
ہے۔خدیجہ مستور کا انداز بیان دلآویز اور اسلوب فنکارانہ ہے۔اسی
وجہ سے مجھے اس ناول میں وہ تمام خوبیاں نظر آتی ہیں جو میری نگاہیں
ڈھونڈتی ہیں۔'' [۱]

ایک عام خیال کے مطابق اچھے ناول کے لیے ضروری ہے کہ اس میں دلچسپی کے تمام سامان فراہم ہوں۔زندگی از خود رنگا رنگ ہے۔یہاں قدم قدم پر حسرت و ناکامیاں ہیں۔ناول میں بھی دلچسپی، تنوع اور رنگارنگی ناگزیر ہے۔یہ ضرورت اس لیئے ہے کہ ناول نگار اور قارئین کے بیچ ایک مضبوط رشتہ قائم رہے۔ناول کی زبان صاف ستھری، سادہ، متوازن، سلیس، رواں اور بے تکلف ہو۔یہ زبان انسان کی روزمرہ کی زندگی میں استعمال کی جانے والی زبان سے بہت قریب ہو۔یہ ساری خوبیاں خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' میں ہر جگہ نمایاں ہیں۔ناول کی مجموعی ہیئت کی تعمیر کے دوران بھی انہوں نے اپنے بلند پایہ فنی شعور، تاریخی سچائی اور بے مثل سلیقہ مندی کا ثبوت دیا ہے۔

''آنگن'' کے سلسلے میں پروفیسر محمد حسن کا خیال ہے کہ:

''آنگن'' پاکستان میں لکھا گیا تاریخی شعور، فنی بالیدگی
اور فکری صلاحیت کے اعتبار سے کم سے کم میرے نزدیک وہ اس
موضوع پر سب سے اچھا ناول ہے اور ''میرے بھی صنم خانے'' سے
کہیں آگے۔'' [۲]

خدیجہ مستور نے اپنے دونوں ناولوں ''آنگن'' اور '' زمین'' کے ذریعہ اپنے بہترین فن کا مظاہرہ کیا ہے۔''آنگن'' میں گھر کے اندرونی مسائل کی کشمکش اور زمین کے

---

[۱] آنگن پر تبصرہ: پروفیسر احتشام حسین صفحہ ۸

[۲] جدید اردو ادب پروفیسر محمد حسن صفحہ ۴۵

Scanned by CamScanner

تقسیم ہونے کے بعد بگڑتے ہوئے حالات کی عکاسی اپنی مثال آپ ہے۔ناول کے بہترین نمونے خدیجہ مستور کی تحریروں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ان تحریروں میں پختگی، خیالات میں گہرائی اور گیرائی ہے۔

بقول پروفیسر وقار عظیم:

> ''خدیجہ مستور کے افسانے گھریلو زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں۔ان کے انداز کی جرأت اور بے باکی زندگی کے معمولی واقعے میں کوئی بھی نیا پہلو تلاش کر لیتی ہے،زبان کی صفائی،سادگی،ہلکی پھلکی ادبیت اس میں جا بجا تشبیہوں کی چمک اور افسانوں میں ابھرتے ہوئے تصور کے اشارے ایک خاص دلکشی و تازگی پیدا کرتے ہیں۔''[1]

خدیجہ مستور کے ناولوں میں عورت اور اس کی نفسیات کا عکس ملتا ہے۔''آنگن'' میں جہاں عالیہ، چھمی، پھوپھی، کریمن بوا، وغیرہ کے کردار پیش کئے گئے ہیں وہیں ''زمین'' میں انہوں نے ساجدہ اور لالی کے کرداروں سے عورت کی ذہنیت کو ایک مثال بنا کر پیش کیا ہے۔عورت دل سے کمزور ہونے کے باوجود بھی ہمت اور حوصلے سے وقت کا مقابلہ کر سکتی ہے اور کرتی ہے۔ان کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے فن کو زندگی کی سچائیوں سے قریب تر رکھا۔یہی وجہ ہے کہ ان کا فن لافانی بن گیا جو آج بھی زندہ تابندہ ہے۔خدیجہ مستور کے فن پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر ممتاز حسین لکھتے ہیں:

> ''خدیجہ مستور میں حوصلہ تھا اپنے مقدر ساز ماحول کو بدلنے کا وہ ان کے فن کا طرۂ امتیاز ہے۔لیکن وہ اپنے فن کی اس منزل تک آہستہ آہستہ پہنچتی تھیں۔وہ اپنے افسانہ نگاری کے ابتدائی

---

[1] اردو ڈائجسٹ'ھما' اردو نمبر ۱۹۷۳ مضمون نگار پروفیسر وقار عظیم

دور میں بالعموم مرد کی بے وفائی اور مرد کے ظلم کو بیان کرتی ہوئی نظر
آتی ہیں اور ان کے اس بیان میں جا بجا تلخیاں بھی ہیں لیکن
انسانیت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتیں۔اس کی جھلکیاں ''آنگن''
میں ملتی ہیں۔'' [1]

ایک ناول نگار پہلے خود مشاہدات اور تجربات کی آنچ میں پکتا ہے اور تب وہ اپنے مخصوص نقطہ نظر کے تحت انسانی زندگی کی تصویر کشی کرتا ہے اور نقطۂ حیات کی وضاحت کرتا ہے۔ اس روایت کو خدیجہ مستور نے اپنے ناولوں کے ذریعہ آگے بڑھایا ہے۔ 'آنگن' میں عورتوں کی ذاتی زندگی کے کچھ مخصوص پہلوؤں کی نشاندہی بھی اس ناول میں بڑی کامیابی سے کی گئی ہے۔ خدیجہ مستور کے فن پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر فرماتے ہیں:

''خدیجہ مستور کا کمال یہ ہے کہ عورتوں کی تصویر کشی میں
انھوں نے نگاہ کی گہرائی، مشاہدے کی باریکی اور تیز فقروں کی کاٹ
سے معنویت کی دو جہات پیدا کر دی۔ ایک جہت پر تو یہ انفرادی لحاظ
سے عورت کی دکھ درد اور المیے کی کہانیاں ہیں مگر اس کے ساتھ دوسری
جہت پر یہ عورتیں اپنی انفرادی حیثیت سے بلند ہو کر معاشرے کے
احتجاجی رویوں کے لئے استعارات کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہیں
جو عورت کے لئے قفس کی تیلیوں کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔'' [2]

ناول نگار کے لئے ضروری ہے کہ صرف زندگی کے حقیقی کردار پیش کئے جائیں۔ ''آنگن'' میں خدیجہ مستور نے ایک ہی خاندان کے جیسے جاگتے حقیقی کردار عالیہ، چھمی،

---

[1] نقد حرف 'خدیجہ کا فن از پروفیسر ممتاز حسین صفحہ ۲۴۰
[2] تبصرہ آنگن: سلیم اختر

Scanned by CamScanner

صفدر، کریمن بوا اور اسرار میاں وغیرہ کو پیش کیا ہے۔جن کو انھوں نے قریب سے دیکھا ہے۔ ناول کے ختم ہونے پر بھی اس کے کردار یاد رہتے ہیں اور قاری اس سے لطف اندازہوتا ہے۔ یہ ایک اچھے ناول کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے اچھے ناول کو پڑھ کر ہمیں زندگی کی گہرائی اور وسعت کا احساس ہوتا ہے۔انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے قربت اور واقفیت حاصل ہوتی ہے۔خدیجہ مستور نے اپنے ناولوں میں یہ چیز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ قاری کو ناول پڑھنے کے بعد ایک مخصوص حالات اور دور کی واقفیت ہوتی ہے۔ناول کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ سارا منظر آنکھوں کے سامنے آجائے۔خدیجہ مستور کے یہاں یہ چیز بدرجہ اتم موجود ہے۔''آنگن'' کے تعلق سے پروفیسر ممتاز حسین خدیجہ مستور کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عورتوں نے ایک زبردست جلوس ان سارے بیکار سوالوں کے جواب میں نکالا۔ بتایا جاتا ہے کہ جب جلوس منتشر کیا جانے لگا تو اس سلسلہ میں لاٹھیاں بھی استعمال کی گئیں تو اس وقت کریمن بوا نے اپنا دستپناہ ہوا میں اچھالا۔ سچ تو یہ ہے کہ خدیجہ مستور کے ناولوں اور افسانوں کے تمام کردار اس جلوس میں شریک تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ گیسیو نے بائبل کے لکھے کو بدل دیا۔ایسا ہی کچھ عورتوں کے اس جلوس نے بھی کیا۔اس نے بھی تاریخ کا ایک نیا ورق الٹ دیا ہےاور اس میں خدیجہ مستور کی تحریروں کا بھی دخل ہے۔''[1]

ناول نگار نے مکالمے کے ذریعہ حالات و واقعات اور شخصی کیفیات بیان کیا ہے۔کہانی کے بہاؤ اور فطری ارتقاء میں مکالمے انتہائی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عمدہ مکالمہ نویسی کو بلند پایہ تخلیقی فن تسلیم کیا گیا ہے۔خدیجہ مستور کے یہاں کوئی ایسا

---

[1] تبصرہ آنگن پروفیسر ممتاز حسین؛ تاج آفسٹ پریس، دہلی ۱۹۸۴ء (کور پیج)

Scanned by CamScanner

عنصر نہیں ملتا جس سے ان کا فن کہیں سے مجروح ہو۔ زبان و بیان کی خوبی نہ صرف ناول کے حسن میں اضافہ کرتی ہے بلکہ اکثر اسے ناقابل فراموش بنا دیتی ہے۔ ان کے یہاں جدت اور اثر ہے طرز ادا میں ندرت اور فنکاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 'آنگن' ایک اچھا اور معیاری ناول کہلانے کا مستحق ہو گیا ہے۔

منتہا (Climax) بھی ناول نگار کے فن کا ایک اہم جز ہے۔ ناول نگار اپنے حصول مقصد کے لئے اور ساتھ ہی کہانی کو ایک مخصوص انجام تک لے جانے کے لئے سارے واقعات کو ترتیب دیتا ہے۔ جس میں وہ فطری بہاؤ کو بھی قائم رکھتا ہے۔ اس منزل سے پہلے کہانی میں دو تین جگہ تشویش (Suspense) اور تصادم (Conflict) پیدا کرنا بھی اچھا سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ خدیجہ مستور نے ایک ہی خاندان کے افراد کے بیچ دونوں چیزیں پیش کر کے دکھائی ہیں۔ جس کا نتیجہ پورے خاندان کا منتشر ہونا اور سب کی زندگی کا برباد ہونا ہے۔

ہر ناول نگار کا زندگی کے متعلق ایک نظریہ ہوتا ہے جسے نظریۂ حیات (Theme of Life) کہتے ہیں اس کے ذریعہ ناول نگار اپنے مقصد سے قاری کو آگاہ کر کے اس پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ مثال کے طور پر خدیجہ مستور نے اپنے ناول میں صرف یہی نہیں کہ تقسیم ہند کے بعد یا اس سے قبل ایک ہی خاندان کی کہانی پیش کی ہو بلکہ خصوصاً عورتوں کی زندگی کی کشمکش، ان کا استحصال اور ان کے اس المیے کی طرف اشارہ ہے جس کا تعلق محبت سے ہے۔ پروفیسر ممتاز حسین اس پس منظر کو اپنے الفاظ میں یوں پیش کرتے ہیں:

> ''خدیجہ مستور نے اپنے ناول 'آنگن' میں کسی جگہ یہ جملہ لکھا ہے کہ ''عورت کسی نہ کسی مرد سے محبت کرنے پر مجبور ہے۔''
> دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ محبت اس کا مقدر ہے۔
> یعنی ایک تحیر نا گزیر اور چونکہ محبت اس کا مقدر ہے، اس کی زندگی کی

Scanned by CamScanner

ٹریجڈی اس کے اسی مقدر یا مرد سے محبت یا نفرت کے گرد گھومتی
ہے۔کیا عورت اپنے اس مقدر پر غالب آسکتی ہے؟ غالب آنے کا
یہ مفہوم نہیں کہ وہ اسے فنا کرسکتی ہے بلکہ یہ کہ اسے آزادی میں تبدل
کرسکتی ہے۔اسے ایک معتدل جذبے کی صورت دے سکتی ہے۔
اسے دوستی، احترام، باہمی تعاون، ایثار و قربانی کی قدروں میں
تبدیل کرسکتی ہے۔یا یہ کہ اس کے عیش وغم کو گوارا کرسکتی ہے۔اس کی
تاب لاسکتی ہے؟ یہ ایک بڑا سوال ہے اور اس کا جواب ایک ایسی ہی
عورت دے سکتی ہے جس میں مقدر کو بدلنے یا اس پر غالب آنے کا
حوصلہ ہو۔''[1]

پلاٹ کردار، زبان اور حالت معاشرہ اور اقتصادی و معاشرتی زندگی کو خدیجہ مستور کے ناولوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔''آنگن'' میں کریمن بوا، اسرار میاں کا المیہ سب سے بڑا ہے۔ناولوں میں عورتوں کے المیے پر خاص توجہ دی گئی ہے۔کریمن بوا ایسی عورت ہیں جنھوں نے اس خاندان کے اچھے دن بھی دیکھے ہیں اور بعد میں برے دن بھی۔مگر ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے حال میں ماضی کو یاد رکھا ہے۔ان کے اندر خاندان کی ہمدردی اور وفا شعاری کا جذبہ پایا جاتا ہے۔اسرار میاں کا ماضی کریمن بوا کے رویے سے معلوم ہوتا ہے جس کو عالیہ پسند نہیں کرتی۔''آنگن'' میں کئی طرح کے المیے پیش کئے گئے ہیں جیسے جاگیردارانہ نظام، ان کی تہذیب کے خاتمہ کا المیہ تقسیم کے بعد ہجرت کا المیہ، قوم پرست مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ ملک کی سالملت کا جو خواب انھوں نے دیکھا اور جس کے لئے مفلسی اور تنگدستی سے زندگی گزاری تھی وہ پورا نہیں ہوا۔ملک تقسیم ہوا اور وہ اپنے ہی دیار میں اجنبی ہو گئے۔دوسری طرف دوسرے ملک میں اپنی شناخت اور معیار کا مسئلہ

---

[1] نقد حرف 'خدیجہ کا فن: پروفیسر ممتاز حسین صفحہ ۲۴۰

Scanned by CamScanner

سامنے آتا ہے۔ایسے لوگ دوسرے کی جاگیروں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔بڑے چچا کی دوکان آزادی کی تحریک سے متاثر ہوکر ختم ہوگئی اور آخر میں آزادی کے بعد قتل بھی کر دیے گئے۔ جس ملک کے لیے لڑتے رہے اس کی ایک حسین شام راس نہیں آئی۔خواب ٹوٹے تعبیریں بکھریں۔''آنگن''میں محبتوں کا المیہ ہے خاندان ہی کے افراد کے بیچ محبت ہوتی ہے جیسے تہمینہ کا عشق صفدر بھائی سے ہوتا ہے۔ماں کی مرضی شامل نہ ہونے کی وجہ سے شادی نہیں ہو سکی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے خودکشی کر لی۔اس طرح دوسرا عشق چھمی اور منظور و جمیل کے بیچ ہوتا ہے جو ناکام ہو جاتا ہے۔پھر تہمینہ کے انتقال کے بعد صفدر کو تہمینہ کی صورت عالیہ میں دیکھائی دیتی ہے اور پھر وہ اسے چاہنے لگتا ہے۔مگر عالیہ روایت پسند ہونے کی وجہ سے اس کی محبت کو ٹھکرا دیتی ہے۔اس کی وجہ پروفیسر ممتاز حسین کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

> ''آنگن کی عالیہ جو سماجی کارکن بن جاتی ہے۔صفدر سے قریب ہو کر بھی اس سے اس لیے دور ہو جاتی ہے کہ صفدر تقدیر کو بدلنے والی عوامی جنگ میں تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔اس پر وہ عالیہ کی ہمدردی کھو بیٹھتا ہے۔کیونکہ عالیہ اسے اس کی کم ہمتی سے تعبیر کرتی ہے۔عالیہ اس سے شادی کرنے کا اقرار کرنے کے بعد اس اقرار کو انکار میں تبدیل کر دیتی ہے۔اس طرح سے محبت کا مقدر پھر دور ہو جاتا ہے۔
>
> عالیہ کسی مرد کی محبت کا اعتبار اس لئے نہیں کرتی ہے کہ جس ماحول میں اس نے آنکھ کھولی تھی اس میں عورت کا وجود منجملہ سامان تعیش تھا،پھر ایک کنیز یا بچہ جننے والی جورو کے اس ماحول میں مرد کی بے وفائی کے قصے عام تھے۔اس نے کسم دیدی کا حشر خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔کس طرح اس کا عاشق اغوا کرنے کے بعد

Scanned by CamScanner

اسے تنہا مرنے کے لیے چھوڑ گیا تھا۔اس ماحول میں عالیہ کا رویہ
جمیل کی طرف بھی اور صفدر کی طرف بھی سمجھ میں آتا ہے۔'' [1]

تقسیم ہند کا المیہ سب سے بڑا المیہ ثابت ہوا۔لوگ اپنی جان بچا کر بھاگ گئے کیونکہ فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑک اٹھی ۔فساد میں مہاجرین کو کیمپ میں رکھا گیا اور کچھ عرصہ کے بعد جب فرقہ پرستی کی آگ قدرے ٹھنڈی ہوئی تو لوگ اپنے وطن میں سکون کے ساتھ زندگی گزارنے لگے۔ تقسیم ہند ایک تہذیبی اور معاشی المیہ بن گیا لوگ تقسیم کے بعد ہجرت کر گئے لوگوں کے سامنے ہجرت کے بعد تہذیبی اور معاشی مسئلہ درپیش تھا ایسی حالت میں انھیں کافی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑا۔

''آنگن'' میں خدیجہ مستور نے حیات و کائنات کی تمام باریکیوں کو پیش نظر رکھا ہے اور یہی نہیں بلکہ زندگی کے نشیب وفراز اور ان کی صداقتوں کو ایک مخصوص بلندی سے دیکھا ہے۔انھوں نے اپنے ذہنی اور جذباتی رشتوں کو ناول کی تخلیق میں کہیں مسئلہ نہیں بننے دیا بلکہ یہ اپنے دور کا سچا آئینہ ہے۔زندگی کو قریب سے دیکھنے کے بعد پورے تجربات و مشاہدات کو سامنے رکھ کر اس کی تخلیق کی ہے۔'آنگن' کی مقبولیت کا سبب یہ ہے کہ یہ کبھی ہر گھر کا آنگن تھا اور آج یہ ہر ذہن و دماغ کا آنگن ہو گیا۔اسی سے سب کو اس کی چاہت نصیب ہوئی۔اس دور میں جو بھی ناول لکھے گئے سب کے یہاں ایک موضوع مشترک تھا۔ ہر ناول میں انسانیت کا قتل اور فرقہ واریت کا ذکر ملتا ہے۔خدیجہ مستور نے صرف فسادات ہی پر ہر بات مکمل نہیں کی بلکہ زندگی کے ان تمام چھوٹے بڑے پہلوؤں پر نظر ڈالی ہے جو ایک ہی خاندان کے لوگ مختلف طریقے اور نظریہ رکھنے والوں کے درمیان ملتے ہیں۔

خدیجہ مستور کا دوسرا ناول ''زمین'' مہاجروں کے مسائل پر لکھا گیا ہے۔''زمین'' جہیز کا جز بن کر رہ جاتی ہے۔جس کی وجہ سے لالی جیسے کردار کو دکھ جھیلنا پڑتا ہے۔ساجدہ اور

---

[1] نقد حرف 'خدیجہ کا فن' پروفیسر ممتاز حسین صفحہ ۲۴۰۔۲۴۱

Scanned by CamScanner

صلّو کے بیچ وہی زمین رکاوٹ بنتی ہے۔خدیجہ مستور نے اپنے ناولوں میں خاندانی رشتے اور تعلقات کے اتار چڑھاؤ کی بھی عکاسی کی ہے۔''آنگن'' میں عالیہ اور ''زمین'' میں ساجدہ کو پیش کر کے ان کی نفسیات اور ذہنی کشمکش کو پیش کیا ہے۔اس سماج میں کچھ رسمیں ایسی ہیں جو ہندو مسلم دونوں میں مشترک ہیں۔مثلاً شادی کی رسمیں، مانجھے بٹھانا، مہندی لگانا وغیرہ ہیں۔ان مشترکہ رسموں کے باوجود سماج اور خاندان میں ایسے خیال کے لوگ تھے جو فرقہ پرستی کو فروغ دے رہے تھے۔

''زمین'' کا سب سے اہم کردار ساجدہ ہے۔یہ تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔مہاجرین کے کیمپ میں بے سہارا ہو جاتی ہے۔ناظم اپنے گھر میں پناہ دیتا ہے۔اس سے شادی کر لیتا ہے۔ناظم پاکستان کا حامی ہے۔سرکاری ملازمت کرنے کے بجائے ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔پاکستانی نظام کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اور نتیجہ کے طور پر اسے جیل کی ہوا بھی کھانی پڑتی ہے۔

پاکستان کے قیام میں سیاسی اقتدار کے بھوکے زمینداروں کا اہم رول رہا ہے۔ چنانچہ پاکستان میں زمینداری کے خلاف ہر جمہوری تحریک کو کچلنے کی کوشش کی گئی۔ناظم کے ذریعہ ناول نگار نے پاکستانی حکومت کی پالیسی اور جمہوری تحریکوں میں حصہ لینے والے لوگوں کی حقیقت کا پردہ فاش کیا ہے۔ناول میں تاجّی جیسے ناظم اپنے گھر لا کر نوکرانی بنا لیتا ہے اور ناظم اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنا لیتا ہے۔یہ کہانی نہ صرف تاجّی کی کہانی ہے جس کا پاکستان کے اعلیٰ طبقے کے ہاتھوں استحصال ہوا بلکہ ناول نگار نے تقسیم کے حوالہ سے مہاجرین کے مسائل پر اور پاکستانی حکومت کی بدانتظامی پر ایک تنقیدی نظر ڈالی ہے۔

آزادی کے بعد ہندوستان میں زمینداری کا خاتمہ کر دیا گیا لیکن پاکستان میں نئے نئے جاگیردار پیدا ہو گئے۔دونوں ناولوں میں خدیجہ مستور نے عورتوں کی جو صورت حال کی عکاسی کی ہے اس سے بگڑے ہوئے سماج کی نشاندہی ہوتی ہے۔کردار حقیقی ہیں۔

Scanned by CamScanner

قدرتی مناظر اور عشقیہ معاملات پیش کرتے وقت خدیجہ مستور نے رومانیت نہیں آنے دی اور نہ کہیں جذباتیت۔ بلکہ حالات کی سچی تصویر پیش کی ہے۔ ''آنگن'' میں گھر کے اندر کے مسائل ہیں باہر کا کوئی بھی مسئلہ نہیں ہے۔ جب کہ ''زمین'' میں باہر کے مسائل پر بھی قلم اٹھایا گیا ہے۔ ''آنگن'' کے قصے کی رفتار دھیمی ہے چونکہ وہ شاید اس لئے کہ گھر کے اندر کا آنگن ہے زمین کی رفتار بہت تیز ہے یہ گھر کے باہر کی عکاسی کرتا ہے۔ دونوں ناولوں میں ناول نگار کا قلم کہیں ڈگمگایا نہیں ہے۔ آنگن کے کرداروں میں باغیانہ جذبہ ہے مگر دبا کچلا ہوا ہے۔ چاہتے ہوئے بھی آنگن کے کردار بغاوت نہیں کر سکتے آنگن میں کسم دیدی اور تہمینہ کی خودکشی عورت ذات کی محرومی و مجبوری کو ظاہر کرتا ہے۔ ''زمین'' میں اس طرح کی کوئی خودکشی نہیں ظاہر ہوئی۔ سارے کردار حالات سے لڑتے ہوئے کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدیجہ مستور کا ناول نگار کی دنیا میں اہم مقام ہے۔ انھوں نے دونوں ناولوں کو لکھ کر ناول نگاری کے سلسلے کامیابی کے ساتھ آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ وہ اچھی ناول نگاری کا نمونہ پیش کرنے میں کامیاب ہیں۔

□□□

Scanned by CamScanner

کتابیات

۱۔ اشرف، محمد — ہندوستانی مسلم سیاست پر ایک نظر،
کوہ نور پریس، نئی دہلی ۱۹۶۳

۲۔ احمد، عقیل — اردو ناولوں میں تقسیم ہند
موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۷ء

۳۔ احمد، ساحل — اردو کی چند مشہور کتابیں، جلد ۶
اردو رائٹرس گلڈ، الہ آباد ۱۹۸۹ء

۴۔ بخاری، سہیل — اردو ناول نگاری
لاہور، ۱۹۶۰

۵۔ حسن، محمد — جدید اردو ادب،
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۸

۶۔ حسینی، علی عباس — ناول کی تاریخ اور تنقید
انڈین بک ڈپو، لکھنؤ

۷۔ حسین، مجتبیٰ — اردو ناول نگاری کا ارتقاء
پرویز بک ڈپو، دہلی

۸۔ حسین، رفیق — اردو ناول کی نشو ونما آزادی ہند کے تناظر میں

۹۔ وہاب اشرفی — تاریخ ادب اردو، جلد سوم
ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی

۱۰۔ مستور، خدیجہ — آنگن
موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی ۱۹۸۴

Scanned by CamScanner

۱۱۔ مستور خدیجہ — زمین
ہمالیہ بک ہاؤس، دہلی ۱۹۸۴

۱۲۔ ممتاز حسین — نقد حرف
مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۸۵

مظفر حنفی — جائزے (تبصرے و تعارف) جلد ۲۵
ضمیمہ شمارہ نمبر جولائی ۱۹۸۵ء

۱۳۔ سرمست، یوسف — بیسویں صدی میں اردو ناول
نیشنل بک ڈپو حیدر آباد، ۱۹۷۳ء

۱۴۔ فاروقی، محمد احسن — اردو ناول کی تنقیدی تاریخ
ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ ۱۹۷۶

۱۵۔ فریدی، جلال اصغر — ''لہو کے پھول: ایک جائزہ'' رسالہ، روح ادب
شمارہ ۴۸، جلد ۱۴، مغربی بنگال اردو اکادمی، کولکاتا

۱۶۔ رضوی، وضاحت — ''آزادی کے بعد اردو ناول''
ضمیمہ ''قومی آواز'' دہلی نومبر ۱۹۸۹ء

۱۷۔ ذاکر، محمد — آزادی کے بعد ہندوستان کا اردو ادب
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

۱۸۔ رسالہ اردو ڈائجسٹ 'ہما' اردو نمبر ۱۹۷۳

۱۹۔ رسالہ ''آج کل'' خصوصی نمبر ''ادب کے پچاس سال''
مرتب محبوب الرحمٰن فاروقی و ڈاکٹر ابرار رحمانی؛ پبلیکیشنز ڈیژن، نئی دہلی

□□□

Scanned by CamScanner

KHADEEJA MASTOOR KI NOVEL NIGARI PAR EK NAZAR

By
Dr. Ishteyaq Alam Azami
D. Litt.

Principal
Rizvi Degree College
Karari, Kaushambi, U.P.

زیر تصنیف کتاب:

انگریزی منظومات کے اردو ترجمے: ایک تجزیہ

Cover Designed by Javed Nazar, Allahabad-09335489474

RUJHAN PUBLICATIONS
C-82, G.T.B. Nagar, Allahabad, U.P.
Contact : 0532-2655007;09335489474
E-mail : javednazar@rediffmail.com

Price : ₹150.00

Scanned by CamScanner